اردو مرکز لائبریری

رباعیاتِ رواںؔ

مرتبہ اردو مرکز لاہور

مسٹرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز انارکلی لاہور

عنوان

~~اسلامیہ ۸۹۱~~

/ ۱۹ /

اسا

۱۹۲ ر

رُباعیاتِ وانؔ

مصنّفہ

لالہ جگت موہن لال وانؔ ایم اے

ایل ایل بی پبلک پراسیکیوٹر اناؤ

مرتبہ

اُردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز انارکلی لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام بابو گوردتہ منیجر چھپی

اُردو مرکز

اُردو کی کم مائگی اور اُس کی بے بضاعتی کی داستان اگرچہ اب ایک افسانۂ کہن ہو گئی ہے تاہم بعض اربابِ علم و فن کے حلقوں میں اس کا اعادہ اب بھی اُسی سنجیدگی و بلند آہنگی سے کیا جاتا ہے جس طرح اب سے پچیس تیس برس قبل کیا جاتا تھا۔ اسکی وجہ صرف یہی نہیں کہ ممالکِ غیر کے انشا و ادب کی تابانیوں نے اُن کی نگاہیں خیرہ کر دی ہیں اور اُن کے نزدیک اُردو ادب و شاعری عبارت ہے چند سطحی پُرمبالغہ و بے کیف مجموعۂ نظم و نثر سے۔ بلکہ اس کے علاوہ وہ بداہتہً یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اردو ادب و شاعری کا سب سے بڑا علمبردار بھی جب اُردو لٹریچر کی حمایت میں زبان و قلم کو جنبش دیتا ہے تو اسی سطحی نمونۂ نثر اور پست و پامال شعریت پر گرمِ توجہ نظر آتا ہے جسے مذاقِ عالیہ کی بارگاہ صرف بے توجہی و بے اعتنائی کا مستحق سمجھتی ہے ؎

واقعہ یہ ہے کہ اُردو نظم و نثر کے بیشتر نمونے ہندوستانیوں کے زمانۂ انحطاط و تنزل کی پیداوار اور ہماری پستی و نکبت کے پس ماندہ آثار و یادگار ہیں اور اس طرح اُردو ادبیات کا تمام صالح و غیر صالح سرمایہ باہم خلط ملط ہو کر رطب و یابس کا ایک انبارِ ضخیم بن گیا ہے۔ ان حالات میں ایک طرف تو وہ بلند علمی طبقہ

اس سے بد دل ہو کر اُسے قطعاً ناقابل توجہ سمجھنے لگا دوسری طرف ایک جماعت ایسی ہے جو اپنی مُلکی زبان اور وطنی انشا و ادب سے والہانہ جوش میں اس کی انتہائی حمایت پر آمادہ ہے لیکن زندگی کے دیگر مشاغل اور اُس کی شدید مصروفیتوں کے باعث اُسے اتنی فرصت نہیں کہ اس تمام ذخیرۂ خس و خاشاک سے کار آمد و جاندار حصّے کو الگ کر کے اردو ادب کی حقیقی قدر آشنا ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج موافق و مخالف دونوں اُس کی قدر و قیمت کے اصلی اندازے سے محروم ہیں۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ اُردو کو تہی مایہ اور بے بضاعت کہنا ایک طرح پرفیشن میں داخل ہو گیا ہے۔ حتّٰی کہ یونیورسٹیوں ٹیکسٹ بک کمیٹیوں اور کونسلوں وغیرہ میں بھی وقتاً فوقتاً اور موقع بے موقع اُس کی تہی مائیگی اور بے بضاعتی کا غلغلہ بلند کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت آشنا اصحاب اس خیال سے کبھی متفق نہیں ہوتے۔ جن لوگوں نے اُردو کی فہرستہائے کتب پر کبھی نظر ڈالی ہے اور لائبریریوں میں جا کر نادر الوجود قلمی و مطبوعہ نسخوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اُردو زبان ایک بحرِ بیکران ہے جس کا دامن آبدار موتیوں کا ایک سیر حاصل جلوہ زار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُردو ادبیات کا دامن رطب و یابس کے بدنما داغوں سے کلیتہً پاک نہیں لیکن یہ عیب دُنیا کی اُن ترقی یافتہ زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو فی زمانہ علمی زبانیں کہلاتی ہیں۔ اگر اُردو میں پست و پامال لٹریچر کی اشاعت بڑی کثرت و سرعت سے ہو رہی ہے۔ تو انگریزی میں بھی چار آنے کے لکھنے والے مصنّفین کی تعداد کسی طرح کم نہیں۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ اُن کی

تصانیف بلا استثنا بتذل اور سوقیانہ انداز کی ہوتی ہیں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاں انگریزی لٹریچر کی فضیلت کے ثبوت میں مِلٹن ۔ شیکسپیئر ۔ شیلے ۔ ورڈسورتھ ۔ جانسن میکالے اور رائڈر ہیگرڈ وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں ۔ وہاں اُردو ادبیات کی محفل بھی میر و غالب ۔ انیس اور دبیر ۔ حسن اور نسیم ۔ داغ اور حالی ۔ آزاد اور نذیر احمد ۔ سرشار اور شرر ۔ سر سید اور شبلی ۔ اکبر اور اقبال جیسی بلند پایہ شخصیتوں سے خالی نہیں ؎

اِس میں شک نہیں کہ اُردو حکمران قوم کی زبان نہ ہونے کے باعث اس قدردانی سے محروم ہے جو ہندوستان کے بیس کروڑ باشندوں میں تبادلۂ خیالات کے آسان ترین وسیلہ کی حیثیت سے اُس کا جائز حق ہونا چاہیئے مگر اُس کی بے بضاعتی کا رونا اس کی اور اُس کے اہل قلم کی ناقدری سے زیادہ ان مفروضہ اثرات پر مبنی ہے ۔ جو کسی چیز کی ناقدری اور کس مپرسی کے قدرتی عواقب سمجھے جاتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ اس کا محرک یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر اُردو کو بے مایہ اور تہی دامن نہ کہا جائیگا ۔ تو کہنے والے کی ہمہ دانی ۔ وسعت مطالعہ بلکہ خوش مذاقی پر بھی حرف آئیگا ۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اُردو نے اس کس مپرسی کی حالت میں بھی جملہ مراحل ارتقا کو حیرت آفرین سرعت سے طے کیا ہے اور ثابت کردیا ہے کہ خداداد اہلیت اپنے اظہار کے اسباب خود مہیا کر لیتی ہے ۔ یہ ناقابل انکار صداقت ہمیشہ کے

لئے مستور نہیں رہ سکتی کہ رطب و یابس کے اِس انبار اور خس و خاشاک کے اس ذخیرہ میں جو آجکل اصطلاح عامہ میں اُردو لٹریچر کا دوسرا نام ہے۔ اس قدر مسالہ موجود ہے کہ اگر اس کی طباعت کا انتظام مناسب اہتمام کے ساتھ کیا جائے تو ممتاز سے ممتاز لائیبریریوں کی زینت میں گرانبہا اضافہ ہو سکتا ہے۔

اُردو مرکز کے سلسلے میں ہمیں اُردو لٹریچر کے وسیع مطالعہ سے جو تجربہ ہوا اُس کی بنا پر علیٰ رؤس الاشہاد ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُردو لٹریچر کے منتخبات سے یونیورسٹی کے تمام اعلیٰ مدارج کے لئے کورس تیار ہو سکتے ہیں۔

"خدمت زبان" اور "خدمت ادب" کی جو صدا تمام طول و عرض ہند میں گونجی ہوئی ہے اور ملک کے بہتر سے بہتر دل و دماغ اِس کے لئے جس طرح وقف کاروجد وجہد ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ بہت اُمید افزا ہے مگر اُسی کے ساتھ ہم اِس اظہار خیال سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ تعلیم و تربیت کے ابتدائی منازل سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ طبقات علمی کے لئے جب تک اُردو ادب کے ایسے منتخب نمونے (جو ہمارے پست دور زندگی کے زہر آگین عناصر سے بالکلیہ پاک ہوں) کی ترویج و اشاعت کا انتظام نہ کیا جائیگا اور اِس طرح ملک میں جب تک ایک اعلیٰ اور صالح ذہنیت و صلاحیت نہ پیدا کیجائیگی اُسوقت تک "خدمتِ اُردو" کے سلسلے میں ہماری بڑی سے

بڑی سعی بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ بار آور نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ہم کامل یقین و وثوق کیساتھ یہ خیال رکھتے ہیں کہ اردو اور اس کی ادبی خدمات کے ضمن میں سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ ایک ایسا سلسلۂ مجلدات تیار کیا جائے جسے حقیقی معنوں میں اپنا لٹریچر کہتے ہوئے ہم کوئی ندامت نہ محسوس کر سکیں۔ اس قسم کے منتخب لٹریچر کی اشاعت سے نہ صرف یہ کہ اردو میں ایک مخصوص تابناک دورِ حیات کا آغاز ہو گا بلکہ اس سے ہماری آیندہ نسلیں ادبی گمراہیوں سے محفوظ رہ کر ایک اعلیٰ ذہنیت اور معقول صلاحیت علمی کی بھی حامل ہو سکیں گی۔

"ایک اچھی لائبریری ایک ارزاں یونیورسٹی ہے"

یہ کسی یوروپین مصنف کا قول ہے جس کی بلیغ معنویت اپنے اجمال و ابہام میں بھی کسی مزید تفصیل و توضیح کی محتاج نہیں۔ اُردو مرکز کے ان مقاصد عالیہ میں جو اُردو مخزن العلوم کی تدوین اور اردو زبان کے دارالافتا کی تنظیم پر مشتمل ہیں اردو ادب کے نادر و کار آمد حصے کا تحفظ بھی داخل ہے چنانچہ مذکورہ خیالات کی بنا پر اُس نے اپنے لائحہ عمل کی اوّلین دفعہ یہی رکھی ہے کہ اُردو زبان نے اپنی موجودہ مدتِ حیات میں جو صالح اور جاندار ذخیرۂ ادب تیار کیا ہے اُسے مسلسل مجلدات میں ترتیب دے اور اس طرح اس یوروپین مصنف کے مذکورہ بالا قول میں خفیف سی ترمیم کر کے

"ایک اچھی یونیورسٹی ایک ارزان لائبریری کی شکل میں"

ملک کے سامنے پیش کر دے۔

تجاویز اور "اسکیم بازی" خوش فکر دماغوں کا ایک عمل تعیش ہے اصل سوال "ہو تو کیونکر ہو" کا ہے۔ اسلیئے ہم نے سب سے پہلے ملک کے بعض مشاہیر سے اس باب میں استمزاج کیا۔ اُردو مرکز کے نمایندگانِ خصوصی نے زحمتِ سفر برداشت کر کے بعض بزرگوں سے بالمشافہ گفتگو کی اور طریق انتخاب و طریق کار کے متعلق اُن سے نہایت مفید مشورے بھی حاصل کیئے اُن بزرگوں میں سے مندرجۂ ذیل اصحاب کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں :-

علامہ عبد الحلیم شرر مرحوم - علامہ عمادی - مولانا عبد الماجد بی۔ اے مصنف فلسفہ جذبات و فلسفہ اجتماع - مرزا اعجاز حسین دہلوی بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی وکیل - مولانا سید غلام بھیک نیرنگ بی۔ اے وکیل پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم۔ اے لکچرار مسلم یونیورسٹی و مدیر سہیل علیگڈھ پروفیسر کشوری موہن مترا ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لنڈن) مولانا سید جالب دہلوی ایڈیٹر "ہمدم" لکھنؤ - ڈاکٹر شانتی سروپ ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس سی یونیورسٹی پروفیسر - میاں بشیر احمد بی۔ اے آکسن بیرسٹرایٹ لا ایڈیٹر ہمایوں - خان بہادر ڈاکٹر سر میاں محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا کے سی ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ایل ایل۔ ڈی ٭

مولانا سید راشد الخیری دہلوی ایڈیٹر رسالہ عصمت دہلی - چودھری فتح دین ایم۔ اے ڈویزنل انسپکٹر آف سکولز ملتان ڈویژن - مولانا سید ناصر نذیر فراق دہلوی - چودھری محمد حسین صاحب بی۔ اے۔ پی۔ آئی۔ ایس

ڈی۔ آئی منٹگمری ۔ شیخ ظہور الدین صاحب بی۔ اے۔ پی۔ آئی ایس
ڈی۔ آئی۔ لائل پور ۔ خان بہادر مولوی خورشید احمد صاحب بی۔ اے
ریٹائرڈ ڈویژنل انسپکٹر راولپنڈی ۔ راجہ فاضل محمدؐ خان صاحب بی۔ اے
بی۔ ٹی۔ ایس ڈپٹی انسپکٹر راولپنڈی ڈویژن ۔ چودھری غلام رسول
صاحب شوق ایم۔ اے۔ پی۔ ای۔ ایس۔ ڈی۔ آئی ڈیرہ غازیخان
خواجہ دل محمدؐ صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لنڈن) پروفیسر
اسلامیہ کالج لاہور۔ مولینا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی
ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی
مولنا سالک ایڈیٹر انقلاب ۔ مولینا حافظ احمد علی خان صاحب
منصرم کتب خانہ ریاست رام پور ۔ مولینا خلیقی دہلوی ۔
حضرت ہوش بلگرامی ایڈیٹر ذخیرہ ؂

اس کے علاوہ اور اکثر خوش مذاق حضرات سے جو اردو ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں تبادلہ خیالات کا موقع آتا رہا مگر مذکورہ اصحاب میں سے خصوصیت کے ساتھ جس نے اُردو مرکز کے کاموں سے دلچسپی کا اظہار فرمایا وہ علامہ شرر مرحوم کی ذات تھی۔ موصوف نے نہ یہ کہ طریق کار کے متعلق مشورے عنایت فرمائے بلکہ بعض صحبتوں میں اپنا گراں بہا وقت فراہمی مواد اور مشکلات انتخاب کے حل کرنے میں بھی صرف فرمایا موصوف کا یہ وعدہ بھی تھا کہ آخر جنوری تک لاہور تشریف لاکر اور کچھ دنوں قیام فرماکر اُردو مرکز کے کاموں میں اعانت بھی فرمائینگے مگر افسوس مرحوم کی اچانک موت نے ان

تمام حوصلوں کو بار آور ہونے نہیں دیا۔

یہ صحیح ہے کہ ہمنے اخبارات و رسائل میں اپنی ان تجاویز و عزائم کا کوئی شور نہیں مچایا اسلئے کہ ؎

"عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند"

صرف مخصوص اربابِ قلم کی خدمت میں ایک ایک مطبوعہ تحریر بھیجکر اُن سے میٹر (مواد) اور مفید مشوروں کی التجا کی تھی۔ اس تحریر کی نقل بجنسہٖ درج ذیل ہے :-

جناب محترم!

یہ امر جناب سے پوشیدہ نہیں کہ ملک کا بہی خواہ اور علم دوست طبقہ ایک مدت سے اُردو کو دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی سطح پر لانے کیلئے بیقرار ہے۔ اس حیثیت سے موقت الشیوع جرائد و رسائل اور ملک کی چھوٹی بڑی علمی جماعتیں اور انجمنیں جو کچھ کر رہی ہیں انکا کافی احترام رکھتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کے اظہار بغیر چارہ کار نہیں کہ کام کی اہمیت اس تنگنائے فکر سے گذر کر مزید وسعتِ عمل کی محتاج ہے۔ "اُردو مرکز" (ملک کی واحد اُردو اکاڈمی جو دُنیائے ادب کے مشاہیر اہلِ قلم کی گرانقدر مجلس کی نگرانی میں ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے) نے اس امر کو ملحوظ رکھکر اپنے مجوزہ نظام عمل کے لئے حسب ذیل دفعات مقرر کئے ہیں :-

(۱) اُردو کے اُس حصۂ ادب و شاعری کو (جو محفوظ رکھنے کے قابل

ہے اور جو در اصل اُسکی آیندہ ترقیات کا اصلی ہیولیٰ بھی ہے جلد سے جلد انتخاب کے بعد مستقل مجلّدات کی صورت میں ترتیب دینا۔

(۲) اُردو میں ایک مخزن العلوم (انسائیکلوپیڈیا) تیار کرنا۔

(۳) اردو زبان کے فتوحات ادبیہ کا ایک منتخب مجموعہ سال بسال مجلّدات کی شکل میں پیش کرتے رہنا۔ (۴) گرانقدر نایاب مطبوعہ و غیر مطبوعہ اُردو کتابوں کی ترتیب و تہذیب اور حسبِ استطاعت ہر قسم کی علمی و ادبی اردو تصنیفات و تالیفات کی اشاعت۔

(۵) اردو مرکز کی مجلس مشاورۃ (جو درحقیقت اُردو زبان کیلئے ایک ادبی دارالافتا ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع اور متنازعہ فیہ امور ادبیہ کے متعلق ناطق فیصلہ۔

ان دفعات کی اوّلین قسط یہ ہے کہ نظم و نثر کے اس بہترین حصّہ کو جسے اُردو ادب اپنی موجودہ مدّتِ حیات میں فراہم کرسکا ہے ایک باقاعدہ و منتظم صورت میں ملک کے سامنے پیش کردے۔ یہ مجموعہ جہاں ایک طرف اُردو ادب و شاعری کا حاصل و عطر ہوگا وہیں یہ امر بھی مدنظر ہے کہ حتی الامکان اس میں ایک حد خاص تک ترتیبِ تاریخی بھی ملحوظ ہے تاکہ ہر دَور کے خصوصیّات اور ادبی دماغ کے ارتقائی مدارج کا بھی سرسری طور پر اندازہ ہوسکے۔ اس التزام کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام بھی پیش نظر ہے کہ شعرا اور اُدبا کی تصاویر اور اُن کے حالات سے بھی (جس قدر دستیاب و میسر ہوسکیں) ان مجلّدات کی رونق و زینت میں اضافہ کیا جائے

ان بلند اور وسیع عزائم کی اہمیت اور ان کے مشکلات کا جناب خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں۔ اُردو مرکز لاہور نے خدا کا نام لیکر اس کام کو شروع کر دیا ہے۔ جسے ارباب ذوق کی مشہور و قابل قدر جماعت نہایت سرعت سے انجام دے رہی ہے بلکہ اس کام کا ایک بڑا حصہ پریس میں بھی جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے مشہور فضلا و ادیب بھی اپنے زرّیں مشوروں اور اعزازی خدمات سے اُردو مرکز کی اعانت فرما کر خدمت زبان کا غیر فانی ثبوت دے رہے ہیں لیکن مشرقی اخلاق و ذہنیت کی ناقابل تردید عظمت یہ ہے کہ یہاں کے کاموں کی تمام مشکلات کو صرف سرمایہ و مالیات ہی کے زور پر حل نہیں کیا جا سکتا اسلیئے کہ ملک میں بحمداللہ ایسے غیور و عالی حوصلہ بزرگوں کی کمی نہیں جو ملک کے مفید کاموں کی اعانت و حوصلہ افزائی کو مادّی "سود و زیان" سے آلودہ کرنا پسند نہیں کرتے اور صرف بے غرضانہ اعانت کو اپنی خدمات کا حقیقی نعم البدل تصور کرتے ہیں۔ نظر بران جناب سے بکمال ادب گذارش ہے کہ اپنی نظم و نثر کا ایک منتخب اور خوشخط مجموعہ مع اپنے حالات اور بلاک کے (اور اگر بلاک موجود نہ ہو تو تصویر) اردو مرکز انارکلی لاہور کے نام ارسال فرمائیں اسی کیساتھ ہمارے کاموںکے متعلّق اگر کوئی مفید مشورہ بھی عنایت فرمائینگے تو اسے بھی نہایت شکریہ کیساتھ قبول کیا جائیگا۔ اُردو نظم و نثر کی کوئی ایسی کارآمد تصنیف و

تالیف جو ابتک کُنجِ گمنامی میں پڑی ہوئی ہو اسکے منتخب حصے معہ مصنف یا مؤلف کے حالات کے اگر دستیاب ہو سکیں تو وہ بھی براہ عنایت ارسال کئے جائیں - اِس قسم کی زرّیں امداد دینے والے حضرات کا اِس تاریخی سلسلہ میں شکریہ کے ساتھ اعتراف کیا جائیگا اسکے علاوہ کارکنانِ اُردو مرکز ایسے تمام حضرات سے جنہوں نے اُردو ادب و شاعری کی کوئی خدمت انجام دی ہو یہ اُمید کرتے ہیں کہ وہ خود بھی اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینگے اسلئے کہ ان کے حالات اور گرانمایہ کارنامے اگر اُردو ادب و شاعری کے اس مستقل اور مبسوط ریکارڈ اور مخزن میں نہ آئے تو یہ امر بڑی حد تک طرفین کیلئے قابلِ افسوس ہوگا ÷ **اَلْمُلْتَمِس** مہتمم اردو مرکز - انارکلی لاہور

چنانچہ اس درخواست پر اطراف ملک سے ہماری جسقدر حوصلہ افزائی کی گئی وہ ہماری اُمیدوں سے کہیں زیادہ تھی - انتہا یہ کہ بعض کرمفرماؤں نے تو اپنے مستقل کارنامہ ہائے علمی ہمیں انتخاب و طباعت کیلئے مرحمت فرما دئیے جن سے گو ہم بقدر ضرورت ہی متمتع ہو سکے تاہم اُنکی مخلصانہ اعانت کے تہ دل سے معترف و سپاس گذار ہیں ÷

اُردو ادب اور اُس کا سرمایۂ علمی

ابتدائی انتظامات مکمل ہو چکنے کے بعد ہم نے پانچ ہزار روپیہ کے صرف سے ایک لائبریری مرتب کی اسمیں ہمیں جو دقتیں پیش

آئیں وہ بہت صبر آزما تھیں۔ مروّجہ کتب کا حاصل کرلینا تو چنداں دشوار نہ تھا۔ کسی مطبع یا کتبخانہ کی فہرست اٹھائی اور اُسمیں سے جو کتابیں مفید مطلب نظر آئیں۔ انکی قیمت منی آرڈر کے ذریعہ ارسال کردی لیکن جو نادر الوجود اور عسیر الحصول نسخے ملک کے دور افتادہ گوشوں میں قدیم مگر گمنام گھرانوں اور غیر معروف لائبریریوں کے اندر لالۂ صحرا کی طرح اپنی جان نواز نکہت رائگان کر رہے ہیں ان کے مہیّا کرنے میں صرف زر سے زیادہ تلاش و تحقیق کی ضرورت تھی بہر حال جہاں سے اور جس طرح جو کتابیں مل سکتی تھیں ہم نے اپنی لائبریری میں جمع کیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اُردو ادب کی کل کائنات اتنی ہی نہیں اسکی گرانبہا متاع وہ علمی مضامین ہیں جو انتہائی تلاش و کاوش سے ملک کے سر آوردہ ارباب فکر کے قلم سے وقتاً فوقتاً نکلتے رہے ہیں اور جنکے حقیقی سرمایہ دار ہمارے ادبی رسائل ہیں جو ایک مدّت سے غیر محسوس طور پر خدمت زبان کی انجام دہی میں مصروف ہیں ان رسائل میں مندرجۂ ذیل خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہیں:-

مخزن۔ معارف علیگڈھ۔ معارف اعظم گڈھ۔ اُردو (دکن) الناظر لکھنؤ۔ زمانہ کانپور۔ اُردوئے معلّٰی علی گڈھ۔ نگار بھوپال۔ علی گڈھ میگزین۔ ذخیرہ حیدر آباد۔ دکن ریویو۔ ہمایون۔ بہارستان۔ نیرنگ خیال۔ ہزار داستان دلگداز۔ ادیب۔ الھلال۔ کہکشاں۔ العصر۔ نوید۔ نقاد۔ شمع آگرہ خطیب دھلی۔ تمدّن دھلی۔ کوکب گونڈہ۔ عالمگیر لاہور۔ شباب اُردو لاہور۔ نقیب بدایوں۔ دلکش مراد آباد۔ صوفی۔ المعلم (دکن)۔ پیمانہ۔ نورجہان۔ عبرت۔ زبان قوس قزح۔ مرقع لکھنؤ۔ افادہ آگرہ۔ افادہ حیدر آباد۔ تحفہ حیدر آباد۔ صلائے عام دہلی

کمال دہلی - زبان اُردو لاہور - ادیب اُردو لکھنؤ - نظارہ میرٹھ نوبہار علیگڈھ وغیرہ +

مذکورہ رسائل کی ادبی خدمات کا اندازہ آپ اس سے کرسکتے ہیں کہ آج تقریباً ہر شعبۂ علم کے متعلق ہم ایک معتد بہ و معقول مواد فراہم کرچکے ہیں انہیں ہمیں ایسی مضامین بھی ملے جسمیں اس حد تک اجتہادِ فکر و دقتِ نظر سے کام لیا گیا ہے کہ ہم انہیں اکتشافات و تحقیقات علمیہ کا درجہ دیسکتے ہیں اخبار اور رسائل پر بیشتر سرسری نظریں پڑتی ہیں اور کسی اچھے سے اچھے مضمون کو بھی دیکھکر اردو ادب کی مجموعی حیثیت کا بالعموم اندازہ نہیں ہوتا لیکن ان تمام رسائل سے ہر موضوع اور ہر بحث کو اگر علیحدہ علیحدہ بالترتیب جمع کیا جائے تو معلوم ہو کہ اردو ادب کا آج کیا درجہ ہے اور وہ زبان جو محکومیت کے آغوش میں نشو و نما پارہی ہے آج کس حد تک آزاد ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش چلنے کیلئے بیقرار ہے +

چنانچہ کارکنانِ اُردو مرکز نے مستقل تالیفات و تصنیفات کے علاوہ مذکورہ رسائل کے گہرے مطالعہ و انتخاب کے بعد کئی لاکھ صفحات کا عطر کھینچ کر رکھدیا ہے اور آج ہم اس امر کے اعلان کی جسارت رکھتے ہیں کہ تقریباً تمام شعبہ جات علم و ادب پر ہمنے ڈیڑھ سو مجلدات تیار کرلئے ہیں اور جہانتک حالات مساعدت کرینگے ہم انشاءاللہ بہ اقساط انھیں برابر شایع کرتے رہینگے - ان مجلدات سے نہ صرف یہ کہ ملک میں ایک سنجیدہ و کارآمد لٹریچر کی اشاعت ہوگی بلکہ ایک ایسی مختصر سی لائیبریری بھی بآسانی تیار ہوسکتی ہے جس سے عام مولفین و مصنفین بڑے بڑے دفاتر کی ورق گردانیوں سے بے نیاز ہوسکتے ہیں - آیندہ جس کسی مصنف کو کسی اہم مضمون تصنیف و تالیف کی ضرورت ہوگی وہ اُس تصنیف یا تالیف کے متعلق اردو مرکز کے منتخبات میں ایک ہی جگہ ضروری مواد فراہم پاکر لائیبریریوں میں

مبنوں کی تلاش و جستجو اور ضخیم کتابوں کی ورق گردانی کی زحمت سے بچ جائیگا ؛

انتخاب نظم و نثر کے متعلق ملک کے سر بر آوردہ ارباب فکر کے قیمتی مشورے اور خوش مذاق کارکنوں کا طریق کار اگرچہ کام کی عمدگی کی کافی ضمانت ہے۔ تاہم شروع سے لیکر آخیر تک کمزور انسانوں ہی نے اسے انجام دیا ہے اس لئے اسے "خطا و نسیان" سے کسی طرح مبرّا نہیں کہا جاسکتا۔ ابتدائے کار سے لیکر اسوقت تک ہمنے ہر مشورے کا کافی احترام کیا ہے۔ اور چونکہ یہ کسی فرد واحد کا کام نہیں ہے اسلئے قدرتی طور سے بھی ضد و تعصب کی اسمیں گنجائش نہیں۔ چنانچہ ہم کامل فراخدلی کیساتھ یہ حوصلہ رکھتے ہیں کہ اِن مجلّدات کی طباعت و اشاعت کے بعد بھی موافق و مخالف دوست و دشمن کی کسی صف سے جو معقول صدائے اصلاح اُٹھیگی اسکا کمال مسرت کیساتھ خیر مقدم کیا جائیگا اور دوسرے ایڈیشن میں شکریہ کیساتھ اس کی تصحیح و تلافی کر دی جائیگی ؛

شعراو مصنّفیں کی تصاویر اور ان کے حالات کی فراہمی میں بھی حتی الوسع ہم نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر جو التزام و اہتمام ہمارے پیش نظر تھا وہ افسوس کہ خاطر خواہ انجام نہ پاسکا ؛

گذشتہ شعرا و مصنّفین میں سے بعضوں کے حالات اور اُن کی تصاویر اگر میسّر نہ آسکیں تو چنداں عجب نہیں ستم ظریفی تو یہ ہے کہ عصر موجودہ کے بعض بزرگوں کو بھی اپنے حالات و تصاویر دینے

میں بخل و تامل ہوا۔ خدانخواستہ اسلئے نہیں کہ نامحرم نگاہیں اُن پر پڑینگی بلکہ انکسار کی بے کیف فرسودگی اور "میں کس قابل ہوں" کی رسم کہن کا یہی تقاضا تھا۔ حالانکہ اس سے کہیں بہتر عذر "عذر تساہل" ہے۔ جو "شعار بے نیازی" کا بھی حامل ہے اور "شایانِ ذہانت بھی۔ تاہم اس باب میں ہماری کوششیں جس قدر بار آور ہو سکی ہیں وہ نذر ناظرین ہیں ؁

طباعت و اشاعت

اب ان مجلدات کی طباعت و اشاعت کا مسئلہ تھا جسمیں خوش آیند تصورات کے بجائے سرمایہ مالی کی ضرورت تھی اسکے لئے ہم میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز لاہور کی فراخ حوصلگی کے رہین منت ہیں جنہوں نے ان مجلدات کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داریاں لیکر اردو ادب کی ایک عظیم الشان خدمت کا تہیہ کیا ہے۔ ان مجلدات کی اشاعت پر اب تک اس فرم کا پچاس ہزار روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ سو مجلدات اور تیار ہیں جو وقتاً فوقتاً استعداد حالات کے مطابق شائع کئے جائینگے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اور کس قدر روپیہ صرف کرنا پڑیگا۔ یو۔ پی میں منشی نولکشور آنجہانی کی وہ مساعی جمیلہ جو خدمت اردو کے متعلق ہیں اپنی آپ مثال ہیں۔ لیکن میسرز عطر چند کپور کی فرم کا یہ تہیہ بھی اپنے مقام پر جسقدر حوصلہ افزا د قابل ستائش ہے وہ بھی شاید اردو کی تاریخ میں فقید المثال ثابت ہو۔ انکا یہ کارنامہ یہ نہیں کہ

تجارتی کاروبار کے ضمن میں ایک عظیم الشان حوصلہ مندی ہے بلکہ وہ ایک اولو العزمانہ ملکی خدمت ہے جسے دراصل جریدۂ علم و ادب پر شہرتِ دوام کی مہر بنکر ثبت ہونا چاہئیے +

اُردو مرکز کا اسٹاف

ہم نے ذوقِ جستجو کو رہبر بنا کر مُلک کے ان منتخب اہلِ قلم و انشا پردازوں کی خدمات حاصل کی ہیں جن پر اُردو دنیا بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ اس گران قدر ادبی جماعت نے جس انہماک و شغف سے اُردو مرکز کے مفوضہ فرائض کو سرانجام دیا اُس کا اعتراف نہ کرنا حد درجہ کی ناانصافی ہوگی۔ درحقیقت اردو مرکز عبارت اِسی جماعت سے ہے اخباری دنیا سے تعلق رکھنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو ان حضرات کی قدر و منزلت سے واقف نہ ہو۔ ان کے اسمائے گرامی اس امر کی کافی شہادت ہیں کہ اُردو مرکز مُلک کے بہترین انشاپردازوں کی ایک قابلِ فخر جماعت ہے +

فہرست کارکنان اُردو مرکز

۱۔ حضرت اصغر مصنف نشاط روح

۲۔ سید عابد علی بی۔ اے ایل ایل۔ بی ایڈیٹر ہزار داستان

۳۔ شیخ محمد ضیاء الدین شمسی جرنلسٹ

کارکنان اردو مرکز



(کرسی نشین حضرات دائیں سے بائیں کو) (۱) حضرات تپش (۲) شائق (۳) تاجور (۴) سلیم (۵) خالد
(استادہ حضرات بائیں سے دائیں کو) (۶) حضرات فاخر (۷) حامد علی خاں (۸) وفا (۹) سرخوش (۱۰) نظیر

۴ میاں تصدق حسین خالد ایم - اے -

۵ مسٹر منوہر سہائے انورؔ سہسوانی جرنلسٹ -

۶ پنڈت میلارام وفاؔ ایڈیٹر سوراجیہ -

۷ مولینا حامد علی خان صاحب بی - اے - (نیشنل)

۸ حضرت فاخرؔ ہریانوی - بی - اے -

۹ شیر علی خان صاحب سرخوشؔ مصنف تذکرہ اعجاز سخن -

۱۰ شیخ عبد اللطیف صاحب تپشؔ بی - اے -

۱۱ اصغر حسین خان صاحب نظیرؔ لدھیانوی -

۱۲ حضرت جگرؔ مراد آبادی -

۱۳ مولینا گویاؔ جہان آبادی -

۱۴ مولینا سیمابؔ اکبر آبادی ایڈیٹر پیمانہ -

۱۵ شیخ محمد ہادی حسین قریشی ایم - اے -

۱۶ سردار اودے سنگھ شائقؔ بی - اے ایل ایل بی -

۱۷ مسٹر یوسف سلیم بی - اے -

اُردو مرکز کی مجلس مشاورت

اردو مرکز کے کاموں میں مسلسل طور پر مشورہ کی زحمت جن حضرات نے فرمائی -
ان کی التفات بے پایاں کا اعتراف بھی ہم صدق دل سے کرتے ہیں -
یہ محترم حضرات صرف یہی نہیں کہ اپنا وقت عزیز پابندی کے ساتھ

اردو مرکز کے منتخبات پر ناقدانہ نظر ڈالنے پر صرف کرتے رہے۔ معیار انتخاب قائم کرنے میں اپنے زرّین مشوروں سے مسلسل طور پر ہماری امداد فرمائی۔ بلکہ اردو مرکز کے خلاف للّٰہی بغض رکھنے والی سازشی جماعت کے حملوں کے لیئے ان کی مقتدر شخصیتیں سدِّ سکندری ثابت ہوئیں۔

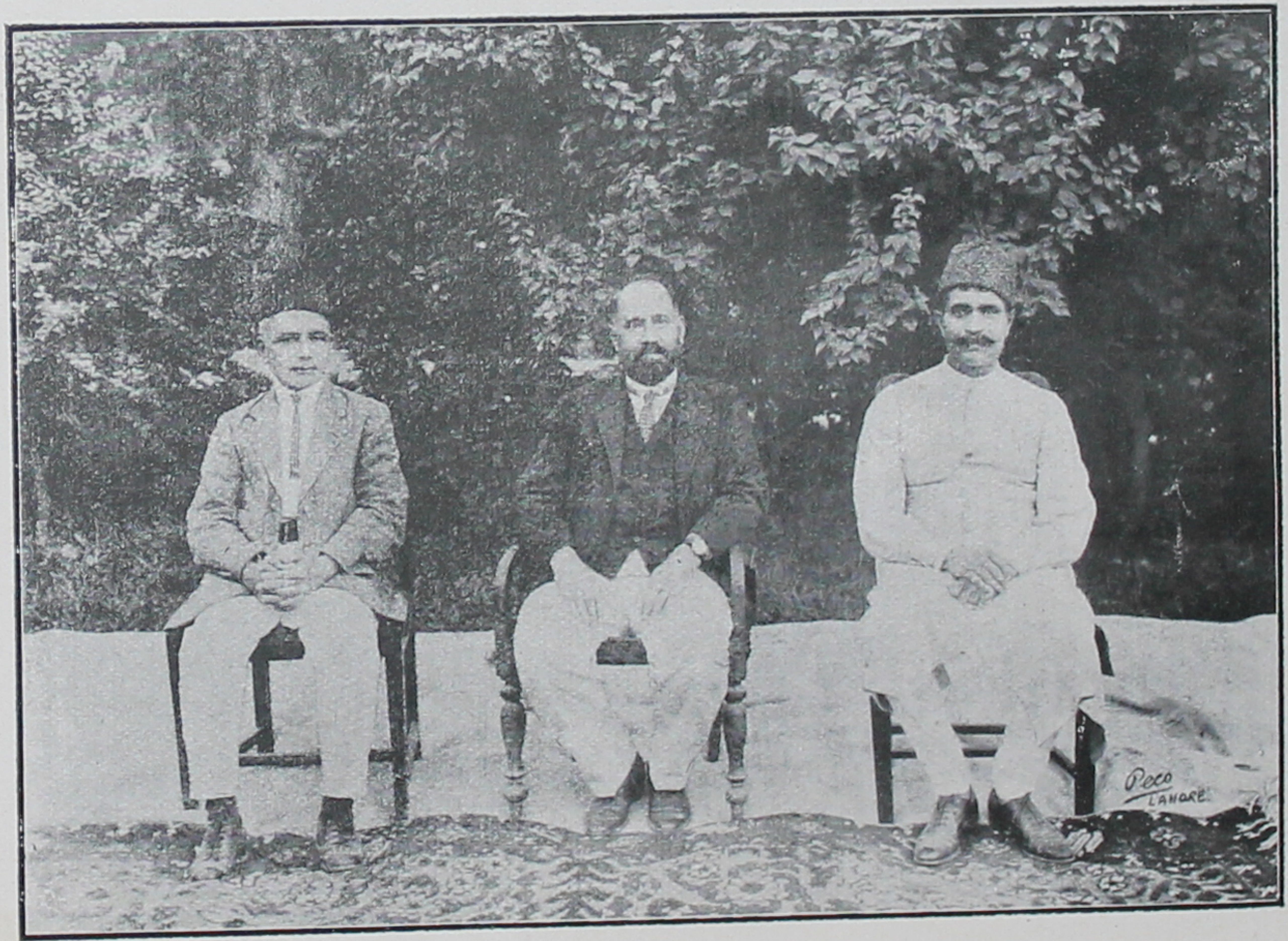
اراکین مجلس مشاورت

آنریبل خان بہادر سر شیخ عبد القادر بیرسٹرایٹ لا۔ ریونیو ممبر ایگزیکٹیو کونسل پنجاب

خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب ایم اے۔ آئی۔ ای۔ ایس۔ انسپکٹر آف ٹریننگ انسٹیٹیوٹس صوبہ پنجاب۔

پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی دہلوی (ادبی نقاد)

آخر میں ہم اس خدائے قادر و توانا کا شکر ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس نے نہانخانۂ غیب سے ہمارے لئے یہ اسباب و وسائل فراہم کردئے۔ اور اپنے لطف و کرم سے ہمیں بُری بھلی خدمتِ زبان کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اُسی کی عادتِ جاریہ یہ بھی ہے۔ کہ وہ ہر اعلیٰ و صالح تحریک کے لئے مخالفین و مزاحمین کی بھی ایک جماعت تیار کردیتا ہے۔ ورنہ پھر نہ تو کسی پُرمغز و مخلصانہ خدمت کی قدر و قوت کا اندازہ ہو اور نہ اُسے پوری طرح پھیلنے اور کامیاب ہونے کا موقع مل سکے۔



(۱) خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب آئی ای ایس (۲) سر شیخ عبدالقادر صاحب (۳) حضرت کیفی دہلوی

ہندوستان میں جہاں تعمیر کے مقابلہ میں شوقِ تخریب اور بڑھانے کے عوض نیچے گھسیٹنے کا جذبہ نسبتہً زیادہ ہے۔ ہم اِس سعادت سے کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ اردو مرکز اپنی ناچیز خدمات کا کوئی عملی ثبوت پبلک میں پیش کرے۔ بعض حلقوں میں اس کے متعلّق پیشتر ہی سے چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ غالب نے کہا تھا ؎

ندانم تا چہ برق فتنہ خواہد ریخت بر ہوشم
تصوّر کردہ ام بگسستنِ بندِ نقابش را

یہاں بھی اردو مرکز اور اس کے کارناموں کا "گسستن نقاب" تو ایک طرف محض اُس کے تصوّر ہی سے ایک تلاطمِ اضطرار پیدا ہو گیا۔ اور گھبرا گھبرا کر ہمارے دوستوں کی نگاہیں اپنے اپنے ترکشوں پر پڑنے لگیں۔ چنانچہ اردو مرکز اور اُس کے اراکین کے متعلّق پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ اخبارات و رسائل کے صفحات میں بھی مختلف رنگ اور مختلف عنوانوں سے تنقیص و تعریض کا شریفانہ عمل شروع ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہماری طرف سے "اشتراکِ عمل" کی دعوت عام تھی بایں ہمہ بعض حلقوں میں اگر ایسی بے چینیاں موجود ہوں۔ جن کی بنیاد میں ناگفتہ بہ جذبات کارفرما ہیں۔ تو شاید ہماری اور اُن کی متفقہ کوششیں بھی اُنہیں زائل نہیں کر سکتیں۔ بہرحال ہمیں اور ہمارے دوستوں کو اپنا اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے۔ انجام کار کا فیصلہ اُسی خدا پر ہے۔ جس نے محسود کو حاسد پر۔ فراخ دلی کو تنگ نظری پر۔ تعمیر کو تخریب بیجا پر ہمیشہ فتح

دی ہے۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ ہم لوگوں کے لئے اپنے اِس لازوال قانون میں تبدیلی ہرگز نہ کرے گا۔

ہم اپنی طرف سے اطمینان دلاتے ہیں۔ کہ جس خدا نے ہمارے لئے اسباب و وسائل مہیا کر کے ہمیں تھوڑے سے کام کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اُسی نے ہمیں وہ صبر و سکون بھی (جو ہر کام کرنے والے کے لئے ضروری ہے) مرحمت فرمایا ہے۔ ہم اپنی جانب سے کسی سے اُلجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور اپنے کرم فرماؤں کی تعریض و نکتہ چینی سے بھی (خواہ وہ کسی رنگ میں کیوں نہ ہو) صرف اپنی اصلاح و فلاح کا فائدہ اٹھانا چاہیں گے اور بس ؏

بادہ گر خام شود پختہ کند شیشۂ ما

تاجور چیف ایڈیٹر

اردو مرکز لاہور

مقدمۂ "رُوحِ رواں"

قدامت پسندی و مشاہیر پرستی فطرتِ انسانی کا ایک عام تقاضا ہے، اور غالباً اس کی بڑی حکمت یہ ہے کہ قدما و مشاہیر کے کارنامے جو بمنزلۂ بنیاد کار کے ہیں۔ ہمارے پاس محفُوظ رہیں۔ تاکہ آگے چلکر علم و فن کی جدید عمارت اِس پر تیار کی جاسکے، اور اس طرح انسانی کمالات کے مدارج اور اُنکی ارتقائی کڑیوں میں ایک ربط و تسلسل کی شان پیدا ہو۔ لیکن ہر جذبہ و تقاضائے فطری افراط و تفریط میں پہنچ کر ذہنیت کو مقیّد و محدود کردیتا ہے۔ یہ امر چونکہ خود مقاصدِ فطرت میں ایک طرح کی مزاحمت ہے اِسی لئے اس افراط و تفریط یا بالفاظ دیگر اس غلو یا تعصّب کو ہم ایک "فعلِ مذموم" سے تعبیر کرتے ہیں۔ غلو و تعصّب کی یہ مثالیں ہم کو دنیا کے ہر حصّہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں کم و بیش ملیں گی۔ انگلستان کے سحر نگار مصنف مسٹر چیسٹرٹن نے شاید اسی لئے کہا اور خُوب کہا کہ "دُنیا کی تمام چیزیں جب ہم سے قریب ہوتی ہیں تو بڑی معلوم ہوتی ہیں، اور جب دُور ہوجاتی ہیں تو چھوٹی نظر آنے لگتی ہیں۔ مگر بڑی اور مقتدر ہستیوں کی حالت اس سے مختلف ہے۔ وہ جب ہماری نظر کے سامنے ہوں تو چھوٹی معلوم ہوتی ہیں، اور جب ماضی بعید میں پہنچ جاتی ہیں تو بڑی ہوجاتی ہیں۔"

انسانی کمزوری کا یہ وہی طلسم ہے جس میں عام طبائع مسحور رہتے ہیں۔ اور اسی لئے ایک زندہ انسان کے لئے کسی زندہ انسان کا اعتراف کمال ہر زمانے میں سخت دشوار رہا ہے۔ اور شاید ہمیشہ دشوار رہے گا۔

ہم نے جب جناب رواں کی رباعیاں سنیں تو ہم پر دیر تک ایک پرکیف سکوت طاری رہا۔ ہمیں اس کا اعتاف ہے، کہ ہم ارباب فن کے "آداب" سے جسے ہم اپنی زبان میں رسمیات کہیں گے، بہت کم واقف ہیں ورنہ نعرہ تحسین سے اگر چھت نہ اُڑا سکتے تاہم فضا میں ایک ہلکی سی لہر تو ضرور پیدا کر دیتے ہم نے موصوف سے یہ کہا، کہ آپ اِن رباعیوں کو کتاب کی صورت میں شایع کرائیں ہمارے خیال میں اگر آپ کا کل کارنامۂ شاعری ضایع ہو جائے، جب بھی آپ کی یہ چند رُباعیاں ایک مستقل حیثیت رکھتی ہیں اور وہ اردو شاعری کیلئے بجا طور پر قابلِ فخر یادگار رہنے کی مستحق ہیں۔ لیکن ہمارے حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی، جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ بعض اربابِ علم وفن" کے نزدیک اِن رباعیوں کو کوئی اہمیت نہیں۔ انکے نزدیک چند شعرائے اُردو کی رباعیوں کے بعد انسانی دل و دماغ سے رُباعی لکھنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو گئی۔ پیشینیوں کے اعترافِ کمال کا کتنا غلط مفہوم ہے جو علمبردارانِ علم وفن کے اِن فیصلوں سے نمایاں ہوتا ہے،

اس میں شک نہیں کہ علم وفن کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے ہے وہ سب کا سب نتیجہ ہے اساتذۂ قدیم کی مساعی جمیلہ کا، انتہا یہ کہ خود ہمارے دماغوں کی ساخت اور ہمارے مزاج عقلی کی ترتیب بھی اساتذۂ قدیم ہی کے کارناموں

کی رہینِ منت ہے۔ انشاو شاعری کا کل سرمایہ الفاظ و تخیلات پر مشتمل ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ اس میں سے کوئی جزو ایسا نہیں جسے ہم اپنا ذاتی کہہ سکیں، ایک پادری صاحب نے ایک مجمع میں اپنا فصیح و بلیغ خطبہ پڑھ کر سنایا۔ تو مجمع سے ایک ظریف نے یہ کہا کہ میرے پاس ایک کتاب ہے، جس میں اس خطبہ کا ایک ایک لفظ موجود ہے۔ تمام مجمع اس پر متحیر تھا۔ خود پادری صاحب اپنی اس اہانت پر برافروختہ تھے، بات جب زیادہ بڑھ گئی تو اس ظریف نے اپنے دعوے کے ثبوت میں مکان سے ایک ڈکشنری لاکر پیش کردی۔

کائنات کے بے شمار دلکش مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، کیا یہ سب کے سب معدودے چند عناصر کی ترکیب باہمی کا نتیجہ نہیں ہے، لیکن باوجود اس کے ہر شے اپنے مقام پر ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ آج کل عام طور سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے خیالات کا کل سرمایہ محدود ہو چکا ہے۔ جو کچھ کام باقی ہے وہ محض اسلوبِ بیان اور ندرت ادا کا ہے۔ مگر ندرتِ ادا و بداعتِ اسلوب" نام ہے اس تنسیخ و تغییر کا جس کی خفیف سی جنبش خیالات و حقائق کی ایک نئی دُنیا ہماری نگاہوں کے سامنے لے آتی ہے۔ کائنات کا خفیف سا تغیر، زمان و مکان کی ہلکی سی تبدیلی بھی فلسفیانہ حیثیت سے ایک عالم نو ایک کائنات تازہ کا نقشہ ہمارے پیشِ نظر کر دیتی ہے۔ عامیانہ نگاہیں یہی دیکھتی ہیں کہ وہی زمین و آسمان، وہی آفتاب و ماہتاب، وہی روز و شب کے کرشمے جو کل ہماری نگاہوں کے سامنے تھے، آج بھی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم یہ کہہ رہے ہیں اور اتنی ہی دیر میں خدا جانے کتنے عالم ہمارے سامنے پیدا

ہو ہو کر ماضیٔ قریب و بعید کے پردۂ خفا میں پہنچ گئے۔ اور پہنچتے جائینگے غالب نے اس حقیقت کو اس طرح بے نقاب کیا تھا ؎

در ہر مژہ برہم زدن یک خلقِ جدید است
نظارہ سگالد کہ ہماں ست و ہماں نیست

فکر و نظر کا یہ ایک فریب ہے کہ ہم ہر دور ارتقا کو ایک مستقل چیز نہیں سمجھتے۔ ہماری نظر کسی دور میں الجھ کر مقید ہو جاتی ہے اور پھر جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے ہم یا تو اُسے نقشِ اوّل کا ایک پرتو سمجھتے ہیں یا یہ کہ پچھلے نقوش ہم پر اس قدر مسلّط ہو جاتے ہیں، کہ ہم اس کے سوا کسی دوسری چیز کو دیکھنا پسند نہیں کرتے،

لیکن جس طرح ہر دورِ ارتقا اپنی پچھلی کڑیوں کے سہارے پر قایم ہے، اسی طرح ہم قدما کے کارناموں سے بھی کسی طرح بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ اس قسم کا مغالطہ جسے لاحق ہو اس کی عقل اس بچّہ سے مشابہ ہے جو اپنے باپ کے کاندھے پر کھڑا ہو کر یہ کہتا تھا کہ میں اپنے باپ سے بڑا ہوں۔ آج ہم بلندیوں پر پہنچ کر ادب و شاعری کی لطافتوں اور نزاکتوں پر فخر کرتے ہیں۔ مگر ہم اس بچہ کی طرح بھولتے ہیں کہ ہماری بلندیوں میں اساتذۂ قدیم کی علمی وادبی کارناموں کا قد بھی شامل ہے۔ مطلب یہ کہ وہ طبقہ جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ہاتھوں میں اردو شاعری کی قسمت کا فیصلہ ہے۔ ان میں سے بیشتر اشخاص (اِلّا ماشاء اللہ) انہیں دو افراط و تفریط میں مقیّد ہیں۔ یعنی یا تو وہ متقدمین اور اُن کے کارناموں کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے اور تنہا کوس

لمن الملک بجاتے ہیں۔ یا پھر چند اشخاص کے نام لئے بیٹھے ہیں اور صرف استخوان پرستی کو معیار علم و شاعری سمجھ رکھا ہے۔

جنابِ رواںؔ کی رباعیاں عرصہ تک اسی قسم کے "ارباب فن" کی حوصلہ شکن بے اعتنائیوں کا ہدف رہ چکی ہیں۔ جناب رواںؔ باوجود سخن فہم و سخن سنج ہونے کے ایک مدّت تک نقد و نظر کی مذکورہ طرز کو دیکھ کر خاموش رہے، اُن کے تذبذب و خاموشی کو ممکن ہے کہ اعتماد علی النفس کے منافی سمجھا جائے، مگر ہم اس قسم کی تشکک و سکوت کو اُنکے وقار و متانت اور اُن کے معیارِ قابلیّت کے بلندی کی دلیل سمجھتے ہیں

اُردو شاعری

زبانِ اُردو چونکہ ہندی اور فارسی کی مخالطت باہمی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اُردو شاعری کی ترکیب میں بھی ہندی اور فارسی شاعری کے اجزا و عناصر ضروری ہیں۔ قدما کے دور میں ہمیں یہ بات صاف صاف نظر آتی ہے۔ شاہ حاتم، قایم، مرزا مظہر جانجاناں اور اُن کے شاگرد خواجہ میر درد وغیرہ وغیرہ کے کلام میں فارسی اور ہندی شعرا کے خیالات و احساسات کی جھلک صاف طور پر نمایاں ہے۔ یہ دور اگرچہ زبان کے لحاظ سے اُردو شاعری کا بالکل ابتدائی دور ہے لیکن جہاں تک خیالات و جذبات کا تعلق ہے بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ آج باوجود ادعائے ترقی ہم کو ان چیزوں کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اردو شاعری اور اس کے ارتقائی مدارج کی کوئی فلسفیانہ تاریخ اگر مدوّن کی گئی تو یہ موضوع اپنی بحث

کے لحاظ سے نہایت ہی عجیب ہوگا۔ میری مراد یہاں "زبانِ اُردو" کی ارتقائی تاریخ سے نہیں، میں اس سے بے خبر نہیں کہ ہماری زبان میں ایسی کتابیں موجود ہیں۔ میری غرض یہاں شعرائے اردو کے ارتقائے دماغی کی تاریخ سے ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جہاں تک جذبات کی اثرانگیزیوں کا تعلق ہے ہمارا پہلا دَور مابعد کے دور سے رفیع تر ہے۔ یہ چیز ہوگی جس کے اسباب وعلل سے بحث کرنا اس مورخ کا کام ہوگا، ہم صاف صاف یہ دیکھتے ہیں کہ جس طرح حکومتِ صفویہ نے فارسی شاعری کی حالت تبدیل کردی ٹھیک اسی طرح اودھ کی شاہی نے اردو شاعری کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا۔ دورِ صفویہ نے جس طرح فارسی شاعری سے روحِ معنویت کو سلب کرکے اُسے آورد و تصنع سے گرانبار کردیا۔ بعینہٖ اسی طرح اودھ کی شاہی کے زیر اثر اُردو شاعری بھی صنائع بدائع اور ضلع جگت میں مبتلا ہوکر بےتاثیری وسطحیت کا مسمّٰی بن کر رہ گئی۔ میری غرض یہاں لکھنؤ دلّی کے پیش پا افتادہ اختلافات کو چھیڑنا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اردو شاعری جن آلودگیوں میں الجھ کر اپنی حقیقی نشو و ترقی سے محروم رہی اُن میں یہ مناقشانہ بحثیں بھی داخل ہیں۔ میرا مطلب یہاں عام مذاق شاعری کی خرابی سے ہے۔ ان میں کچھ مثالیں مستثنیات کی بھی ہیں، لیکن افراد و اشخاص کے معائب ومحاسن کا ذکر عمومی وکلّی مباحث کے سلسلہ میں صحیح نہیں، اور اسی لئے اِن بحثوں کو "اشخاص ومقام" کی بحثوں سے بلند و پاکیزہ تر ہونا چاہئے۔

ہاں تو ہم یہ عرض کر رہے تھے کہ اُردو شاعری کا اصلی ہیولیٰ فارسی و ہندی

شاعری کے متحدہ عناصر پر قایم ہوا۔ ایک مدت خاص تک اس کی رفتار صحیح رہی، اس کے بعد بدقسمتی سے ایک دور ایسا آیا کہ طبیعتیں حقیقی جذبات سے ناآشنا ہو کر دور از کار موشگافیوں میں مبتلا ہو گئیں، شاعر کا تخاطب جب تک خود اپنے نفس سے تھا جس وقت تک ذاتی احساسات وجذبات کی ترجمانی ہوتی تھی۔ اس وقت تک شاعری شاعری تھی۔ لیکن جس دن شاعری زبان کے لئے، قوتِ نظم کے لئے، محاورے کے لئے، استادی اور ضلع جگت کے لئے، کی جانے لگی وہی دن اس کے انحطاط و ترقیٔ معکوس کا ہے۔ لیکن بے انصافی ہوگی اگر ساتھ کے یہ بھی نہ کہا جائے کہ گو شعریت و تاثیر کی حقیقی روح باقی نہ تھی، مگر جہاں تک زبان اور الفاظ کی دروبست کا تعلق ہے متاخرین شعرائے اُردو نے فن کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ اِن تمام کارناموں میں انتہائی کاوشیں صرف کی گئی ہیں لیکن یہ رنگین کاغذ کا گلدستہ صرف ایک سراب نکہت ہے جس کے پیچھے پڑ کر وقت تو ضایع ہو سکتا ہے مگر مشامِ جان کی سیرابی معلوم۔ اس کے بعد زمانہ نے دوسرا ورق اُلٹا، انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ جس کے دماغ میں ممالکِ غیر کے ادب و شاعری سے ایک نیا سرور پیدا ہو چلا تھا۔ جب اُس نے اپنے ملک کی شاعری اور لٹریچر پر نظر ڈالی تو اس کی طبیعت سخت بے کیف ہوئی۔ ایک طرف نیچرل شاعری کا نام اُس کی زبان پر آیا دوسری طرف یہیں کے ایک گوشہ سے آواز آئی کہ ؎

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈاس سے بھی ہے بدتر ؎ حالیؔ

یکایک طبیعتیں اُس فضائے جامدہ، اُس طلسم بے کیف سے نکلنے کے لئے بیقرار ہوگئیں۔ اس ہنگامۂ اجتہاد و اختراع میں بھی غریب اُردو شاعری کو بہت سے جانگسل چرکے لگ گئے۔ اُردو میں بلینک ورس کا شور مچ گیا، مہذب طبقوں میں غزل سے نفرت ہونے لگی، انتہا یہ کہ شاعری کا شمار شرمناک جرائم میں سمجھا جانے لگا۔ بلکہ آج بھی کہ اردو شاعری میں جان پڑنے لگی ہے۔ ہمارا زیادہ سنجیدہ طبقہ اب بھی غزل کے نام سے چوکنّا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ تمام اصنافِ سخن میں جامعیت و معنویت کے اعتبار سے غزل کا ایک خاص درجہ ہے جس کی تصدیق حافظ و نظیری کی غزلوں کو دیکھ کر بآسانی ہو سکتی ہے۔ جس طرح بائیسکوپ کی ایک چھوٹی سی حقیر فلم مناظر کی ایک غیر مرئی دنیا لئے ہوئے پردہ پر منعکس ہوتی ہے تو بڑے بڑے وسیع اور دلچسپ مناظر دیکھنے والوں کی نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ اسی طرح ایک شعر کے دو مصرعے کیفیاتِ باطنی اور حقایق عجیبہ کی ایک وسیع و بسیط دنیا اپنے ساتھ رکھتے ہیں، شاعر جوشِ بیان و ندرتِ ادا کا عمل السحر دم کرتا ہے۔ تو وہ تمام چیزیں پھیل کر پڑھنے والوں کے پردۂ احساس پر چھا جاتی ہیں۔ رباعی کا میدان اس سے کسی قدر وسیع تر ہے۔ غزل کے شعر میں جو کام دو مصرعوں سے لیا جاتا ہے۔ رباعی میں اس کیلئے چار مصرعوں کی ضرورت ہے لیکن دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے، فنونِ لطیفہ کا اصلی کمال اشارات و کنایات ہیں، مصور اپنے برش کی ہلکی سی قلمکاری سے نوکِ پلک کی اصلی دنیا تیار کرتا ہے، اس اعتبار سے

ظاہر ہے کہ شعر و رباعی کا درجہ دنیائے شاعری میں کیا ہونا چاہئیے۔ لیکن ہمارے شعرا نے حافظ کے رقص و مستی، نظیری کی رنگینی و لطافت، خسرو کے سوز و گداز، عمر خیام کی فلسفیانہ رندی، اور سرمد کی حکیمانہ ورد سے غزل و رباعی کو سنوارنے کی کوشش نہیں کی تو اس میں غزل و رباعی کا کیا قصور ہے۔ ہندی شعرا کے متعلق میری معلومات زیادہ نہیں۔ لیکن کبھی کبھی بعض احباب سے میں نے پڑھوا کر سنا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ شباب انگیز رنگینیوں (رس) میں بھاری اور پدماکر اور اخلاق و تصوّف میں تلسی واس اور کبیر کا کلام بہت ہی خوب ہے۔ اور اُردو شاعری میں سلیقہ کے ساتھ اس سے بہت کچھ کام لیا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات اُردو شاعری کی بے کیفیوں سے اس قدر بددل ہیں کہ وہ سرے سے اُردو شاعری کے تمام قیود کو بالکلیہ اُٹھا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ خرابیوں کی علت اصناف و قیود نہیں، بلکہ اُس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یا تو ہمارے شعرا کی نظر سے مذکورہ بالا فارسی اور ہندی کلام گذرتا نہیں اور اگر گذرتا ہے تو وہ خود اُن کیفیات و اثرات میں ڈوب کر اُردو شعر لکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

جناب رواںؔ کا مطالعہ بہت کثیر ہے وہ انگریزی کے ایم۔اے ہیں فارسی اور ہندی شعرا کا کلام اُن کے پیش نظر رہتا ہے۔ اُن کی صحبت شعرائے لکھنؤ سے رہتی ہے۔ حضرت عزیز لکھنوی سے اکثر مشورۂ سخن بھی لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے اُنکے کلام میں چند در چند خوبیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ آج کل لوگ یا تو جذبات و غوامض کی ہوا میں اتنے تیز اُڑتے ہیں کہ بالکل کھو جاتے

ہیں۔ یا پھر فن اور زبان کے گورکھ دہندے میں مبتلا ہو کر یہ بھول جاتے ہیں کہ انہیں شعر لکھنا ہے، قواعد زبان کو نظم کرنا نہیں ہے لیکن جناب رواں کی بڑی خصوصیّت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اُن کی نظر تاثیر و کیفیت پر رہتی ہے۔ لیکن وہ زبان اور فن کے قیود کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اسی لئے اُن کی شاعری نہایت معتدل اور سموئی ہوئی ہے۔ جس کی تعریف اس ہنگامۂ افراط و تفریط کو دیکھتے ہوئے جس قدر بھی کی جائے کم ہے۔ اور مختصر تحریر میں اُن کے دیگر ادبی کارناموں کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ اس کے علاوہ اُن کی نظم و نثر ملک کے اکثر ادبی رسائل میں عمومًا شائع ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے ہم یہاں صرف اُن کے مجموعۂ رباعیات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس کے لئے ہم نے اپنی رائے ابتدا ہی میں عرض کر دی ہے۔ کہ اگر جناب رواں کے کل ادبی و شاعرانہ خدمات کو نظر انداز کر دیا جائے جب بھی یہ مختصر مجموعۂ رباعیات اُن کی شاعرانہ عظمتوں اور اُن کی ادبی خدمات کے ثبوت کے لئے بالکل کافی ہے۔ اپنے بیان کی تائید میں مثالًا اُن کی چند رباعیاں ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اُنکے جدّت آفرین دماغ اور اُن کے سُلجھے ہوئے مذاق نے اُردو شاعری کی ایک مخصوص صنف (رباعی) کو کس حد تک لطافت اور رنگینیوں سے فارسی رباعیوں کے دوش بدوش کر دیا ہے۔

رُباعی

رباعی کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ دولتِ صفاریہ میں اس کا نام بجائے "رباعی"

کے "دوبیتی" پڑا، مگر رباعی کی شہرت عام نے "دوبیتی" کو ابھرنے اور مشہور ہونے نہیں دیا۔ اس لئے عام طور سے "رُباعی" رباعی ہی کہلائی۔ فارسی سے غزل و قصیدہ اصنافِ سخن کے ساتھ "رباعی" بھی اُردو میں آکر رائج ہو گئی۔ فارسی میں سلطان ابوسعید ابوالخیر، سحابی، عمر خیام، اور سرمد کی رباعیاں خاص شہرت رکھتی ہیں۔ مولانا جامی نے بھی رباعیاں لکھی ہیں لیکن اُنکا بیشتر حصّہ حقایق و معارف اور مسائل تصوّف پر مشتمل ہے، حافظ و سعدی نے رباعیوں میں عاشقانہ خیالات کا بھی اظہار کیا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ "رباعی" کی صنف غزل سے بہت ہی مماثل و مشابہ ہے جس طرح غزل میں مختلف قسم کے مضامین ادا کئے گئے ہیں، اسی طرح رباعی میں بھی گوناگوں خیالات و احساسات کی نمائش کی گئی ہے۔ رباعی کے اوزان غزل سے مختلف ہیں۔ ورنہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ جس طرح غزل کا ایک شعر دو مصرعوں سے ترتیب پاکر ایک شعر ہوتا ہے۔ اسی طرح رباعی چار مصرعوں کا ایک شعر ہے۔

فارسی شعرا کے تتبع میں اُردو شعرا نے بھی رباعیاں لکھی ہیں۔ مگر اسکی ضرورت یا تو دیوان کی ترتیب کے لئے ہوتی تھی یا مرثیوں میں پیش خوانی کیلئے، ترتیب دیوان سے میری غرض یہ ہے کہ ہر شاعر کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ کم و بیش ہر صنف میں وہ طبع آزمائی کر سکتا ہو، "جملہ اصناف سخن پر قدرت" کا وہ ایک طرۂ امتیازی تھا جس کے لئے ہمارے شعرا کی ہوس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور اس کے لئے بعضوں نے اُن چیزوں میں بھی کاوش دماغی صرف

کی جس کے لیئے وہ دراصل کسی طرح موزوں نہ تھے۔ ایک تو جامعیت عام طور سے لوگوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ دوسرے فن کی ترقی تقسیم عمل سے ہے جب تک مختلف شعبوں میں اختصاصیین کی جماعتیں نہ ہوں اس وقت تک فن کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اردو شاعری میں خس و خاشاک اور رطب و یابس کا جو بڑا حصّہ آکر جمع ہو گیا ہے اُس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ اردو میں رباعیاں اگرچہ کم و بیش عام شعرا نے لکھی ہیں مگر اس میں میر انیس اور مرزا دبیر کو ایک خصوصیّتِ امتیازی حاصل ہے۔ لیکن جس زمانہ میں اور جس مذاق و ضرورت کے ماتحت یہ رباعیاں لکھی گئیں اُس کے اعتبار سے اُن رباعیوں کو اسی مقام پر رہنا بھی چاہیئے۔ سلطان ابوسعید ابوالخیر، سحابی، عمر خیام، اور سرمد وغیرہ فارسی شعرا نے جس طرح اپنے میدان کو مختص کر کے فارسی رباعیوں کو ایک خاص درجہ دے دیا اُس کی مثال اُردو میں بہت کم ہے۔ جناب رواںؔ کی اصلی خصوصیّت یہ ہے کہ انہوں نے اردو رباعیوں میں جدید مذاق کو ملحوظ رکھ کر فلسفیانہ پہلوؤں کے اُبھارنے کی کوشش کی ہے، بیان میں دلآویزیاں پیدا کی ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقلید و تتبع کے سیلاب میں بہتے نہیں، بلکہ خود سوچتے ہیں اور اپنی گرہ کی چیز بازار میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہی اُنکی وہ خصوصیّت ہے جس نے ہمیں اِن چند صفحات کے لکھنے پر مجبور کر دیا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ رواں نے دنیا کے سامنے نئی باتیں پیش کی ہیں۔ اِس لئے کہ نئی باتیں شاذ ہی ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی اُن کا ہمیشہ اچھّا ہونا لازمی نہیں لیکن پرانی باتیں جدتِ بیان اور ندرت ادا کے باعث صرف

یہی نہیں کہ نئی معلوم ہونے لگتی ہیں، بلکہ نفسِ مضمون کے اس رخ اور پہلو کو بھی پیشِ نظر کر دیتی ہیں جن کا نمایاں ہونا اُس طرزِ بیان اور اسی طرزِ ادا پر منحصر تھا۔ اس لحاظ سے اگر انہیں بالکل نئی کہئے جب بھی بیجا نہ ہوگا۔ غرض کہ جناب رواں نے اپنی رباعیوں کے لئے وہی میدان تجویز کیا ہے جو ان سے قبل تمام شعرا کا عام موضوعِ سخن رہ چکا ہے۔ جس طرح غزل کا عام موضوع عشق و محبت اور شوق و طلب کی داستان ہے مگر بقولِ نظیری ؎

ہماں عشق ست بر خود چیدہ چندیں داستاں ورنہ
کسے بر معنیٔ یک حرف صد دفتر نمے سازد

اسی طرح جنابِ رواں کی پُر فکر طبیعت نے بھی اسی موضوعِ کہن میں اسلوبِ بیان کی "چندیں داستاں" مرتب کی ہے، جسے امید ہے کہ اہلِ ذوق بنظرِ غائر ملاحظہ فرمائیں گے،

مناظر

مناظرِ فطرت کی دلکشی اور ولولہ انگیزی کا یہ عالم ہے کہ جب ہم کسی چیز کی خوبصورتی و دلاویزی کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں تو اکثر تمثیل و استعارہ کے لئے مناظرِ قدرت ہی کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ مثلاً "صبحِ پیشانی"۔ آفتابِ حسن، ماہ پیکر وغیرہ وغیرہ۔ آسمان کی فضائے نیلمیں، ستاروں کی جگمگاہٹ، سبزہ و گل کی شادابی غرض کہ فطرت کے تمام مظاہر و مناظر بجائے خود ایک مستقل شعر ہیں، ہنگامِ نظارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم

ایک بسیط فضائے شعریت میں اڑ رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ نگاہِ تدبر بھی میسر ہو کہ

ع ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

تو پھر بھی تمام سراپا و مناظر شاعر کی نکتہ رس و حسن پرست نظروں میں خود شاہدِ حقیقی کا خد و خال بن جاتے ہیں۔

کس کے جلووں کی یہ فراوانی ہو کیسی آخر یہ بزم نورانی ہے
یہ ماہِ دو ہفتہ اور یہ صبحِ جمیل کس کا رخسار، کس کی پیشانی ہے

ابتدائی تین مصرعوں میں مناظر کے دلکش نمونے سامنے لاتے ہیں پھر آخری مصرعہ میں کس پُرجوش کیف و انداز سے درسِ بصیرت ہے ع

کس کا رخسار کس کی پیشانی ہے!

صبحِ بہار کی کیف انگیزیاں اس طرح نمایاں کرتے ہیں:۔

ہر قلب پہ بجلیاں گراتی آئی اک آگ سی ہر طرف لگاتی آئی
کھلتے جاتے ہیں زخمہائے کہنہ پھر صبحِ بہار مسکراتی آئی

موسمِ بہار میں ایک ایک چیز دلکش اور ولولہ آفرین ہو جاتی ہے، اور ہر ہر چیز سے رندانہ سرمستیوں کا اشارہ ہونے لگتا ہے ؎

پھر زلف بدوش ہیں جوانانِ چمن اللہ اللہ صبحِ خندانِ چمن
ذوقِ توبہ ہمارا اُمّت بالخیر پھر جام بکف ہیں نو نہالانِ چمن

فطرت کہتی ہے ظلمتوں کے پسِ پشت کیا ہو بارانِ نور اگر ہو یکمشت
ہنگامۂ طور کر رہی ہے برپا صبحِ خنداں کی اک حنائی انگشت

صبح کو جس وقت پتے پتے پر شادابی ہوتی ہے اور ایک ایک غنچہ غرقِ نشاط ہوتا ہے۔ اس وقت ایک محرومِ انبساط اس جنتِ نظر کو دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھتا ہے ؎

مخمورِ مئے نشاط ہیں مرغانِ چمن　　غنچہ غنچہ ہے زمزمہ خوانِ چمن
سُوکھی کلیوں کے پاس بھی ہو کے ذرا　　اے موجِ نسیمِ صبح اے جانِ چمن

موجودات اور مناظرِ فطرت کے حالات و کیفیات کو دیکھ کر اپنی سوختہ سامانی کا اس طرح ذکر کرتے ہیں ؎

میں غنچۂ نوشگفتۂ گلشن ہوں　　منت کشِ صبح چاک پیراہن ہوں
دل شاد ہوں آپ اپنی بربادی سے　　خنداں ہوں اگرچہ سوختہ خرمن ہوں

تمامی نوامیس و مناظر سے قدرتِ الٰہیہ آشکارا ہے، اس کو ان الفاظ میں فرماتے ہیں ؎

جتنے انوارِ حسنِ صورت کے ہیں　　سب نغمہ نوازِ بزمِ قدرت کے ہیں
یہ آب و سحاب و برق و باد و باراں　　پردے دو چار سازِ فطرت کے ہیں

رندی و مستی

شعر و شاعری کی بزمِ رنگیں حسن و عشق اور بادہ و ساغر کی ہمیشہ سے منت کش رہی ہے۔ لیکن بحث طلب امر یہ ہے کہ کیا اس سے مراد صرف ایک شرمناک و ہوس پرستانہ زندگی ہے یا اس کی تہ میں کچھ حقایق عالیہ ہیں۔ جنہوں نے ان رنگین الفاظ کا لباس پہن رکھا ہے۔ یہ موضوع شارحین

کے یہاں مدت سے زیر بحث رہا ہے۔ کہیں غمزہ و عشوہ، جام و مینا کی تاویل کی گئی، کہیں اصرار ہوا کہ اس سے مراد صرف حسن مجاز کی ادائیں اور صہبائے انگور کے جرعاتِ لطیف ہیں۔

ہماری ناقص رائے میں یہ بحث سرے سے بدمذاقی کی دلیل ہے، ہم حُسن سے صرف حُسن اور بادہ و ساغر سے مطلق محویت و مستی سمجھتے ہیں۔ اور اس حسن و مستی کو کسی خاص شے سے مختص کر کے اُسے محدود و مقید کرنا نہیں چاہتے لیکن اسی کے ساتھ انسانی استعداد کی سطح کو بھی ایک نہیں سمجھتے۔ شعرا کی جماعت میں یہ لازم نہیں کہ سب حقایق آشنا ہوں اور نہ یہ ضرور ہے کہ تمام شعرا بد وضع اور بد چلن ہوں۔ لیکن یہ لازمی ہے کہ شاعر کی فطرت حسن و مستی کی رمز شناس ہو، اور اس سے متاثر ہوتی ہو۔ تاثر و قدر شناسی خود شاعر کے فکر و عمل کی استعداد پر منحصر ہے۔ لیکن "مطلق حسن و مستی" ہر شاعر کا اصلی مطمح نظر ہے۔ ایک حسین انسان صہبائے تند کا ایک چھلکتا ہوا جام صرف اس لئے محبوب و مرغوب ہے کہ وہاں "حسن و مستی" کے جلوے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ فلسفیانہ حیثیت سے "حسن و مستی" کسی جسمانی پیکر اور مادی شے میں مقید نہیں۔ لیکن جو اسے جہاں دیکھتا ہے اُس کی استعداد فکر کو کون تبدیل کر سکتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اشارہ کرتے ہیں ع

در دلِ شراب گنجد پیمانہ در نہ گنجد

لیکن اسی کے ساتھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بغل میں آتش سیال کی بوتل بھی

ضروری سمجھتے ہیں ع

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

اس لئے ہم ان مباحث سے قطع نظر کر کے صرف اُن رباعیوں سے بحث کریں گے جن میں رندی و مستی کی ترجمانی کی گئی ہے۔ لیکن اس رندی و مستی کی نوعیت کیا ہے؟ اس کو جناب رواںؔ جانیں یا قارئین کی استعداد اور انکا مذاق، ہم تو رندی و سرمستی کو مطلق رندی و سرمستی جانتے ہیں۔ اور بس!

محویت و مستی میں رازِ نشاط ہے ؎

دل صرفِ حصولِ جام و مینا کر دے
جان وقفِ سرورِ کیفِ صہبا کر دے
تو رازِ نشاط پوچھتا کیا ہے رواںؔ
غرقِ مے ناب دین و دنیا کر دے

و رمستی و بیخودی کی وسعتِ طلب۔

نوروز ہے غرق بادہ دنیا کر دے
میرا ارمان آج پورا کر دے
پی لوں میں شراب بھر کے اتنی ساقی
تو کاسۂ آسماں کو سیدھا کر دے

ساقی مے صاف و ارغوانی لانا
کم جس سے ہو کچھ غمِ نہانی، لانا
ترسی ہوئی مدتوں سے ہے روحِ رواںؔ
سرچشمۂ بادۂ جوانی لانا

میرے ساقی شرابِ صافی دینا
ہو جس سے گنہ کی کچھ تلافی دینا
اُترے نہ خمار زندگی بھر جس کا
ایسی دینا اور اتنی کافی دینا

مواعظ و اخلاق

نصائح کی خشکی اور تلقین اخلاق کی بے تاثیری کا اصل راز یہ ہے کہ یہ باتیں بالعموم بندھی ٹکی اور رسمی ہوتی ہیں۔ کہنے والا اکثر اسی پرانی راگنی کو چھیڑا کرتا ہے۔ جو اس سے پہلے ہزارہا بار دہرائی جا چکی ہے۔ یہ تکرارِ پیہم جس میں ندرتِ بیان کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا اُسکے اثرات کو زائل کر دیتی ہے۔ اور اس طرح نصیحتیں عموماً بے کیف ہوتی ہیں۔ اُسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب کوئی شخص کسی شے سے عبرت و بصیرت حاصل کرتا ہے، تو خواہ وہ باتیں کتنی ہی عام ہوں اُسکے بیان میں قدرتی طور پر کچھ ایسا اسلوب و انداز پیدا ہو جاتا ہے کہ جس سے سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ "جدتِ بیان" جس سے عموماً تاثیر پیدا ہوتی ہے، خود تاثر کا نتیجہ ہوتی ہے اسلئے ایسی باتیں جنہیں مواعظ و نصائح بخشی کی شان ہو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اُن کا اندازِ بیان کیا ہے؟

مثلاً خلوص اور سچائی کی ہدایت کرنا ہے، اربابِ زمانہ کی شکایت ہے، کہ سامنے اُنکے انداز اور ہیں اور غیبت میں کچھ اور، اس کو اس طرح کہتے ہیں ؎

جھوٹے ایمان والے لاکھوں ہیں روز آل سچے کافر مگر نہیں ملتے ہیں

خیالِ موت قاطع لذات ہے ؎

دنیا سو سو طرح سے بہلاتی ہے سامانِ خوشی سے روح گھبراتی ہے
اب فکرِ فنا نے کھول دی ہیں آنکھیں کلفت ہر بات میں نظر آتی ہے

موت کا خیال دافع افکار و آلام بھی ہے ؎

دِل مائل گریہ کس لئے ہوتا ہے کیوں بے سبب آنسوؤں سے منہ دھوتا ہے
لاحل نہیں عقدۂ صعوباتِ جہاں جب موت یقینی ہے تو کیوں روتا ہے،

مصائب اپنی ہی غلطیوں کا نتیجہ ہیں، اربابِ زمانہ کی شکایت فضول ہے۔

آلودۂ معصیت ہے دامن میرا جل جانے کا مستحق ہے خرمن میرا
بیکار ہے شکوہ اہل دنیا کا رواں بڑھ کر نہیں کوئی مجھ سے دشمن میرا

حقیقی مسرّت افلاس و دولتمندی میں نہیں بلکہ اصلاحِ نفس کے بعد ہر حالت پسندیدہ ہے:۔

افلاس اچھّا نہ فکرِ دولت اچھّی جو دل کو پسند ہو وہ حالت اچھّی
جس سے اصلاحِ نفس ناممکن ہو اس عیش سے ہر طرح مصیبت اچھّی

آدمی کو تدبّر و عاقبت اندیشی ضروری ہے:۔

ہے چشمِ حواس کور آفت یہ ہے ہم راہ رووں کو رنج غربت یہ ہے
آتے ہیں کہاں سے اور جانا ہے کہاں اس کی بھی خبر نہیں مصیبت یہ ہے

زندگی ایک حالتِ نوم ہے اور موت حالتِ بیداری:۔

انسان ایسا بھی کور و غافل کیا ہو محدود نظر ہو، ہر طرف پردا ہو
یہ دورِ حیات خواب غفلت ہے رواں بیدار ہوں ہم تو دیدۂ دل وا ہو

جہد و طلب سب کو ہے مگر وصول بقدر نصیب ہے۔

اپنے ساقی سے کل یہ پوچھا میں نے کتنے میخوار تشنہ لب آتے ہیں
بولا کہ مقدرات ہیں ساغر میں آنے کی اگر کہو تو سب آتے ہیں

عُمر فانی ہے اور اس کا ہر دور ناپایدار ہے۔ بچپن کو گل کی مہک جوانی

کو ہوا کا جھونکا اور زندگی کو موجِ فنا کہنا لطافتِ تشبیہ کی بہترین مثال ہے

کیا تم سے بتائیں عمرِ فانی کیا تھی | بچپن کیا چیز تھا جوانی کیا تھی
یہ گُل کی مہک تھی وہ ہوا کا جھونکا | اک موجِ فنا تھی زندگانی کیا تھی

خواہشات کا یہ ایک فریب ہے کہ وہ چیزیں جو فی الحقیقت تکلیف دہ اور مذموم ہیں بغایت دلکش اور پسندیدہ معلوم ہوتی ہیں۔

اُف باغِ امید کے نمو کی تاثیر | پتّی پتّی کے رنگ و بُو کی تاثیر
کانٹوں میں بھی دلکشی ہے پھولوں کی سی | اللہ ری فریبِ آرزو کی تاثیر

قناعت:۔

فکرِ رزق و معاش اے دل کیا ہے | یہ کس کو خبر کلیدِ منزل کیا ہے
دانے دانے پہ جب کہ ہے مُہرِ رواں | اس کاوشِ بے محل کا حاصل کیا ہے

مُناجات:۔

کردار سے اپنے اشکبار آیا ہوں | اعمال سے اپنے شرمسار آیا ہوں
اے بخشنے والے سب گنہگاروں کے | پابوس نہ کر امیدوار آیا ہوں

فلسفہ و حکمت

"مواعظ و اخلاق" کو بھی اگرچہ "فلسفہ و حکمت" کے عنوان کے تحت میں ہونا چاہئے، بلکہ زندگی کے تمام مسائل جن میں حکیمانہ فکر و نظر سے کام لیا گیا ہو سب پر فلسفہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مگر عام روش کے موافق "فلسفہ و حکمت" کا علیحدہ عنوان اس لحاظ سے ضروری معلوم ہوا کہ وہ رباعیاں جن میں مضامین کے علاوہ

اندازِ بیان میں بھی فلسفیانہ اشارات نمایاں ہوں اُن کے لئے ایک مُستقل عنوان فلسفہ وحکمت کا ضروری ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ رباعیات کا اصلی میدان وموضوع یہی مضامین ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں دیکھنا چاہیئے کہ ایک شاعر موجودہ دور کو دیکھتے ہوئے صحتِ مذاق کا کتنا ثبوت دے سکا ہے

علومِ فکریہ کا منتہائے کمال یہ ہے کہ کسی شے کی حقیقت دریافت نہیں ہو سکتی، لیکن یہ مقام جہل ولاعلمی انتہائے علم وواقفیت کا نتیجہ ہے اسی لئے اکثر علما کا مشرب "لا ادریت" رہا ہے۔ ہمارے زمانہ کے ایک نہایت ذی علم فلاسفر سے دریافت کیا گیا کہ جب علم کا منتہائے کمال جہل ولاعلمی ہے، تو وہ لاعلمی جو عوام کو حاصل ہے کیا بُری ہے، اس کا جواب نہایت لطیف تھا وہ یہ کہ تاریکی میں بھی نظر نہیں آتا، اور شدّتِ نور سے بھی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، اور کچھ نظر نہیں آتا لیکن دونوں حالتوں میں جو فرق ہے، وہی فرق عوام کی لاعلمی اور خواص کی عالمانہ لاعلمی میں ہے۔ جناب رواںؔ نے اس لاادریت کو مختلف انداز سے مختلف موقعوں پر پیش کیا ہے۔ جس سے اُن کے پرفکر اور نکتہ رس دماغ کا پوری طور پر اندازہ ہو سکتا ہے، یہ سوال کہ عالم کیا ہے؟ مختلف ردّ وقدح، مختلف غور وبحث کے بعد بھی اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ ذرّات اور الکٹرس کی جدید تھیوری بھی آگے چلکر خاموش ہو جاتی ہے، دنیا کے ایک بہت بڑے فقیہہ اور مقنّن سے بھی جب عالم کی بابت دریافت کیا گیا کہ وہ کیا ہے؟ تو وہاں سے بھی "لا ادری" کا جواب ملا۔ جناب رواں اس حقیقت کو کس لطیف پیرائے میں ظاہر فرماتے ہیں۔

گر ریگ نہیں تو سطحِ دریا بھی نہیں — جوہر جو نہیں تو محض ہو کا بھی نہیں
یہ تو نہیں کہتے ہم کہ عالم کیا ہے؟ — لیکن جو سمجھ رہے ہیں ایسا بھی نہیں

اس بیان کی اصلی لطافت یہ ہے کہ ابتدائی دو مصرعوں میں عوام کی اس ظن و تخمین کی جانب ہی اشارہ کیا گیا ہے جو کبھی کبھی عالم کی ماہیّت کے بارہ میں کیا گیا لیکن ان خیالات کی تردید کے بعد یہ ذمہ دار محسوس ہو رہی تھی کہ عالم اگر یہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ سمجھ رہے ہیں عالم وہ نہیں ہے۔

عالم کے بارہ میں اور ایک جگہ اسی تحیّر کا اظہار فرماتے ہیں۔

پابندیٔ ذوقِ اہلِ دل کیا معنی — دلچسپیٔ جنسِ مضمحل کیا معنی
اے ناظمِ کائنات کچھ تو بتلا — آخر یہ طلسمِ آب و گِل کیا معنی

ایک جگہ تمام واردات کو افسانۂ خوابناک کہتے ہیں پھر دنیا اور نظمِ دنیا کی طرف اشارہ کر کے انسانی مصروفیتوں اور کاوشوں پر اس طرح اظہارِ تعجب کرتے ہیں ؎

وردِ دلِ چاک چاک کس سے کہیے — افسانۂ خوابناک کس سے کہیے
دنیا معلوم نظمِ دنیا معلوم — بے وجہ کا انہماک کس سے کہیے

"بے وجہ کا انہماک کس سے کہیے" معنویت کے علاوہ بلحاظِ لطافت و برجستگی بھی اس مصرعہ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

"لا ادریت" میں جب اضطراب اور بے چینی کا اضافہ ہو جاتا ہے تو یہی چیز طلب و جستجو کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اسی سے فطرت کے اسرارِ سربستہ پر نگاہیں پڑنے لگتی ہیں کہتے ہیں کہ اس دارِ فنا میں حق و باطل کا مظاہرہ انتشار و سکونِ قلب کا فقدان، ذرات کی ایک مسلسل مشقِ اضطراب کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اصل خیال وہی "لا ادریت" کا

ہے۔ اگر اس سوال نے کہ اس کا حاصل کیا ہے؟ اس "لاادریت" میں اضطراب طلب کی حرارت بھی پیدا کر دی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ یہی سوال جب دماغوں تک محدود رہا تو اس نے فلسفہ پیدا کیا، اور اگر دل تک اُتر گیا تو عرفان بن گیا ؎

اس دار فنا میں مقصد دل کیا ہی — منشائے نمود حق و باطل کیا ہے
جب قلب کو ایکدم بھی راحت نہ ملی — آخر اس زندگی کا حاصل کیا ہے

انسان کی فکر محدود ہے، اور مصالح عالم اور مشیت الٰہیہ کو کامل طور پر نہیں سمجھ سکتی۔

انساں محدود و فکر انساں محدود — یہ کس کو خبر کہ اسکو کیا ہے منظور
پیمانہ بدست رند اور اس سے قریب — تسبیح بدست زاہد اور اس سے دور

فلسفۂ موت

عمر خیام نے سبزہ کے دوبارہ نکلنے سے "حیات بعد الموت" کو قیاس کیا تھا، مگر موت کو ارتقائے حیات سمجھنا اس سے ایک بلند تر حقیقت ہی، جناب رواںؔ اس حقیقت کو مصطلحات فلسفہ کی پیچیدگیوں سے بچا کر صرف ایک بدیہی واقعہ پیش کرتے ہیں، جس سے موت کا ارتقائے حیات ہونا بیّن طور پر واضح ہو جاتا ہے ؎

کیوں تیشۂ باغباں سے دل مضطر ہو — شاید یہ قلم ہی نخل بار آور ہو
مقراض اجل ہے قاطع شاخ حیات — ممکن ہے اسی میں راز جاں مضمر ہو

فلسفۂ مذہب

روح انسانی ایک جوہر لطیف ہے، خدا کے ساتھ انقیاد و محبت اس کا خاصہ ازلی ہے۔ اس جسد عنصری میں پہنچکر اپنی دیرینہ عظمت کی تلاش ایک تقاضائے فطری ہے، لیکن اس طلب و جستجو کی راہیں اگر مختلف ہوں تو اس سے اصل جذبۂ "طلب و جستجو"

پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور مذہب حقیقی معنوں میں اسی طلب وجستجو کا نام ہے ؎

اپنی عظمت کی آرزو سب کو ہے
اگلی حالت کی آرزو سب کو ہے
تفریق مذاہب ایک ہو کا ہے رواں
کھوئی دولت کی آرزو سب کو ہے

فلسفہ نفسیات

شاعری میں فلسفہ کی گنجایش صرف اتنی ہے کہ اسکے متعلق کچھ اشارات کردئے جائیں جزئیات کا استقصاء اور اسباب و علل کی مستقل بحث سے نہ شاعر شاعر رہ جاتا ہے نہ شعر حقیقی معنوں میں شعر۔ اس لئے ہر صحیح المذاق شاعر کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مسائل علمیہ کیلئے پر فکر طبائع کو غور و خوض کیلئے آمادہ و برانگیختہ کردے، مگر خود ان مسائل کی جزئیات میں الجھ کر شعریت کو مجروح نہ ہونے دے۔ انسانی جذبات کی علیحدہ علیحدہ ماہیت نفسی کیا ہے اسکو ماہرین نفسیات ہی جانیں لیکن ہر ذی حس انسان پر کبھی کبھی یہ حالت گزرتی ہو کہ اسکی طبیعت یکایک کچھ بے کیف سی ہو جاتی ہو اور وہ اپنے اندر ایک قسم کا اضطراب سا پاتا ہے علمی حیثیت سے اسکے اسباب کیا ہیں؟ شاعر کو اس سے غرض نہیں اس کا اصلی کام اس حالت کا مظاہرہ اور اسکی مصوری ہے جس طرح ایک مصور پھول کی تصویر تیار کرکے اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاتا ہے اور اسکے ذمہ یہ بات نہیں رہ جاتی کہ وہ علم نباتات کی رو سے اسکی رگ رگ اور ریشہ ریشہ سے بحث کرے یا طبی حیثیت سے اسکے خواص اور درجۂ مزاج کی بھی کوئی تشریح کرے۔ اسی طرح ایک شاعر کسی حقیقت کو عام اس سے کہ اس کا تعلق مادیات سے ہو یا ذہنیات و کیفیات سے شعر کے ذریعہ سے اس طرح نمایاں کردیتا ہے کہ پر فکر طبیعتیں اُنکی گہرائیوں کیلئے خود بخود آمادہ جستجو ہو جاتی ہیں، وہ لوگ جو فطرت انسانی کا مطالعہ

کر سکتے ہیں۔ جن کی نظر انسانی نفس کے رو جزر پر پڑ سکتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک عامی اور ایک فلسفی دونوں پر کبھی کبھی ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے جسے وہ خود نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے اسباب کیا ہیں۔ ممکن ہے اس حالت کے کچھ اسبابِ نفسی بھی ہوں مگر کم از کم اس حالت میں اسکے اسباب سمجھ میں نہیں آتے، یہ واردات گو عام ہیں، مگر وارداتِ محسوساتِ عامہ کی ترجمانی آسان کام نہیں، اس مقام پر شاعر کا اصلی کمال یہ ہے کہ وہ اس حالت کا نقشہ اس طرح کھینچکر سامنے کر دے کہ ع

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ ایسے تمام لوگ جن کے جذبات سریع الاشتعال ہوتے ہیں اُن پر ایک کیفیت ردعمل کی سی ہوا کرتی ہے۔ تکلیفِ خمار کی طرح یہ حالت بھی اذیت دہ ہے۔ اور اس کیفیت کو "جی کا اُچاٹ ہو جانا" کہتے ہیں۔ بعض علما کا خیال ہے کہ انسان مجموعہ ہے روح و مادہ کا، روح کا اصل مرکز ملکوت یا ملاءِ اعلیٰ ہے۔ اس طلسم کدۂ مادی کے مغالطوں میں مبتلا رہتے رہتے یکایک اس پر ایک حالت صعود کی پیدا ہوتی ہے اس وقت بھی انسان کی طبیعت اچاٹ معلوم ہونے لگتی ہے۔ جناب رواں اس عام کیفیت و حالت کا ذکر کرتے وقت ایک حکیم کی طرح اس کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتے، بلکہ ایک شاعر کی طرح صرف اس کیفیت کے مظاہر پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

کچھ وقت اگر خوشی میں کٹ جاتا ہے　　　تسکین ہوئی ہی رنج بڑھ جاتا ہے

اکثر تو کچھ ایسا حال ہوتا ہی رواں
بالکل دنیا سے جی اچٹ جاتا ہی

کرتے ہیں عزیز و دوست عزت میری
کافی ہی ضرورتوں کو دولت میری
ظاہر میں تو کوئی وجہ کلفت کی نہیں
لیکن میں خوش نہیں قیمت میری

اسباب جہاں سے دل کو بہلائیں ہم
اس طرح کا دل بھلا کہاں پائیں ہم
خلوت میں بھی حیف دل کو ایذا ہی وہی
اب اپنے سے بھاگ کر کہاں جائیں ہم

سوسائٹی یا ہیئتِ اجتماعیہ کا راز

محققین کے نزدیک سوسائٹی یا ہیئتِ اجتماعیہ کی مثال اس زنجیر کی ہے، جس میں بے شمار کڑیاں ہوں اور وہ سب کی سب باہم مربوط ہوں، اگر ان میں سے ایک چھوٹی سے چھوٹی کڑی بھی الگ ہو جائے تو زنجیر کی کل ہیئت زنجیری برباد ہو جائے۔ اس لئے سوسائٹی کا ادنیٰ سے ادنیٰ فرد بھی جماعت کے نظامِ ترکیبی کا ایک ضروری عنصر ہے، اسی اصول کی بنا پر باوجود اس کے کہ ہر فرد اپنی فردیت کے اعتبار سے اپنی ہر چیز کا مالک ہے۔ مگر بایںہمہ اُسے یہ حق حاصل نہیں کہ خودکشی کر سکے۔ اس لئے کہ خود اُس کی فردیت اُس کی ذاتی چیز نہیں، بلکہ سوسائٹی کی ہیئت کاملہ کا ایک ترکیبی جزو ہے۔ جس کے ضائع ہونے سے جماعت کی کل ہیئت تعمیری و ترکیبی کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس لئے وہ سوسائٹی ہی کی چیز ہی۔ اور سوسائٹی کی عظمت اور اسکا قیام و بقا اسی کی حقیر دنا توان

ہستی کا رہین منت ہے۔ وہ لوگ جنکی حکیمانہ نظر ہیئت اجتماعیہ کے اس نکتہ پر ہے وہ کسی کمزور سے کمزور اور معمولی سی معمولی فردیت و شخصیت کو بھی بہ نظر تحقیر نہیں دیکھتے جناب رواںؔ اس حقیقت کو ذرہ اور کوہ و صحرا، قطرہ اور موج و دریا کی تشبیہوں کے ساتھ بے نقاب کرتے ہوئے یہ بلیغ اشارہ بھی کر رہے ہیں کہ کوہ و صحرا کی وسعت و بلندی، موج و دریا کا زور شور، امرا کا تزک و احتشام ذرہ و قطرہ یعنی غریب اور حقیر افراد کی بدولت ہے،

دریا جو نہیں فضائے بالا بھی نہیں — ذرہ جو نہیں تو کوہ و صحرا بھی نہیں
اے ہستی بینوا پہ ہنسنے والے — قطرہ جو نہیں تو موج دریا بھی نہیں

تہذیب و مدنیت

تہذیب یا سویلزیشن مدنی الطبع انسان کی سرشت کا ایک ناگزیر کارنامہ ہے، انسان جب مل جل کر رہنے لگتا ہے تو جماعتی ذمہ داریاں روز بروز بڑھنے لگتی ہیں۔ مختلف المذاق لوگوں سے آئے دن معاملے پڑتے ہیں۔ سب سے صلح و آشتی سے پیش آنا پڑتا ہے، ہزارہا قسم کے رکھ رکھاؤ کی نوبت آتی ہے، مختلف عوائد رسمیہ کی پابندی کرنی پڑتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی استعداد اور اپنے حقیقی تقاضہ کے خلاف ایک رواداری زندگی بسر کرتے کرتے ایک ایسا انسان جو اپنی طبیعت کی نگہداشت اور فطرت اصلی کی کرید میں مصروف رہتا ہو، بعض اوقات اسے اپنی زندگی بالکل ایک مصنوعی زندگی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور وہ بے اختیار چیخ کر اس نام نہاد تہذیب و شائستگی

کا ماتم اس طرح کرنے گزا ہے ۔

تابع ہمیں عقل کا کئے دیتی ہے — آزادیٔ دل فنا کئے دیتی ہے
تہذیب کی عظمتوں سے باز آئے ہم — فطرت سے ہمیں جدا کئے دیتی ہے

پالیٹکس

وہ قومیں جنہیں جوع الارض کا عارضہ لاحق ہوتا ہے، دوسری قوموں پر تسلّط کے ساتھ یہ بھی چاہتی ہیں کہ ان قوموں کی ہستی اور اُن کی ہستی کی تمام خصوصیات کو فنا کر دیں لیکن مختلف ممالک، مختلف اقوام اور اُنکے مختلف خصوصیات کی ہستی نہیں معلوم کہ قدرت کے کن اسرار اور حکمتوں کی بنا پر قائم ہے۔ اُسے نیست و نابود کرتے وقت معلوم نہیں کہ مصالح قدرت کے مقابلہ میں کس قسم کی بغاوت سرزد ہو جاتی ہے کہ پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مٹانے والے خود مٹ جاتے ہیں۔ اور کمزور و ناتوان قومیں اسی طرح صفحۂ ہستی پر جوں کی توں رہ جاتی ہیں۔

ایک فاضل مقرر نے اس حقیقت کو واضح کرتے وقت عالم نباتات کی ایک نہایت ہی خوب مثال پیش کی تھی، اس نے کہا کہ درخت کو فنا کر دینے والی بیل جب کسی درخت سے لپٹ جاتی ہے، تو آہستہ آہستہ اس کی قوتِ حیات کو چوسنا شروع کرتی ہے، یہاں تک کہ وہ غریب درخت مرجھا کر فنا ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد چونکہ اس بیل کیلئے بھی کوئی غذا نہیں رہ جاتی اس لئے بالآخر وہ بھی خشک و پژمردہ ہو کر اسی درخت کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے لیکن

یا للعجب جب آسمان سے بارش کا ہر قطرہ پیامِ حیات لیکر زمین پر پہنچتا ہے اور قوتِ نامیہ زمین کا سینہ پھاڑ کر اپنی نمایش چاہتی ہے تو اس خشک ڈھیر پر بھی جہاں وہ درخت اور بیل دونوں ایک ساتھ خشک ہو کر فنا ہو گئے تھے، ہری ہری کونپلیں نمایاں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کونپلیں اس بیل کی نہیں ہوتیں۔ بیل نے تو فنا کرنا چاہا تھا اس لئے وہ بالکل فنا ہو گئی، یہ کونپلیں اس درخت کی ہوتی ہیں جسے فنا کیا گیا تھا، جس طرح عالم نباتات کی یہ مثال حریص اور ظالم فاتحین کے لئے ایک پیام عبرت و بصیرت ہے اسی طرح جناب رواںؔ بھی اس حقیقت کا درس "صبح اور تارے" کے بدیہی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو،

کل صبح نے مسکرا کے تاروں سے کہا ہو جائیں گے اب تمہارے انوار فنا
تاروں نے کہا کہ ہم رہیں گے یوں ہی تو آئے گی اور ختم ہو جائے گی، آ

صبح کے عام استیلا و تسلط سے ستاروں کے "محو و معدوم" نظر آنے کی مثال اتنی نفیس اور اتنی مکمل و جامع ہے کہ شاید مشکل سے اسکے مقابلہ کی دوسری مثال مل سکے۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ ایک "افتتاحیہ" یا "مقدمہ" لکھنے کا عذر لیکر ہمیں طوالت بیان کا ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہئے، اس لئے آخر میں اتنا عرض کرینگے کہ ہم نے اپنی دانست میں جناب رواں کی رباعیوں کے حقیقی محاسن ارباب نظر کی خدمت میں پیش کئے ہیں وضاحت میں ممکن ہے، ہم اپنی تحریر کا لنگر کہیں نہ سنبھال سکے ہوں مگر ہم نے یہ ضرور کوشش کی ہے کہ اپنے "رستم داستاں" کے زور بازو

ہیں فردوسی کا زورِ قلم نہ شریک ہونے دیں، اسی کیساتھ ہمیں اسکا بھی دعویٰ نہیں کہ ہم کسی فوق البشر ہستی کے کلام کا ذکر کر رہے ہیں جسمیں اغلاط و اسقام کا امکان ہی محال ہے۔ اگر کلام سے لطف اُٹھانے اور اس سے روشناس کرانے کیلئے اسکی بھی ضرورت ہے کہ معائب بھی بیان کئے جائیں تو ہم مایوس نہیں کہ ایسے منصف مزاج اساتذہ کی بھی ملک میں کمی نہیں، وہ ہماری اس کمی کو بطور احسن پورا کر سکتے ہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم اچھائیوں کا ذکر کرتے ہیں تو گو وہ غلط کیوں نہوں ہم اسوقت خود اچھے ہوتے ہیں لیکن جب ہم برائیوں کا ذکر کرتے ہیں گو وہ کتنی ہی صحیح ہوں ہمارا جی برا ہونے لگتا ہے اور ہم خود اسوقت بُرے ہوتے ہیں، ایک سراغرسان جب چوری کی تحقیقات اور چور کی گرفتاری کیلئے نکلتا ہے تو سب سے پہلے ایک چور اپنے دل و دماغ میں بٹھالیتا ہے پھر وہ پتے پتے اور تنکے تنکے سے بھڑکنے لگتا ہے۔ اور ہر چیز اُسے اسی عالم میں نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح خدا نہ کرے کہ انسانی طبیعت میں جذبات کی کوئی ایسی کیفیت رونما ہو کہ وہ معائب کی تلاش میں نکلے، اس وقت پھر اس کی کمی کیا ہے، رہی "حق تنقید" کی مرعوب کن اور مردم فریب بلند آہنگی اسکے بارہ میں مسکرا کر اتنا کہنا کافی ہے، ع اس سے کہو جو نہ جانتا ہو،

ہماری طمانیت اور خوشی کے لئے اتنا کافی ہے، کہ ہم نے ایک دوست کی چیز کا وہی حق ادا کر دیا جسکی دراصل وہ مستحق تھی ورحق تنقید" یا "حق تنقیص" کے لئے علانیہ اعتراف ہے کہ وہ ہم سے ادا نہیں ہو سکا۔ اسکے لئے ہم سے بہتر ہستیاں موجود ہیں ہمارا حال تو یہ ہے کہ ؎

شد است سینہ ظہوری پر از محبت یار — برائے کینۂ اغیار در دلم جا نیست

۹۔ نومبر ۱۹۲۶ء +

اراکین اردو مرکز

رُباعیات

کس کی تقریر روح انسانی ہے
کس کے جلووں کی یہ فراوانی ہے
یہ ہاؤ و ہو یہ نقش اور یہ صبح جمیل
کس کا احسان کس کی پیشانی ہے

تقدیر کا راز فاش ہو جاتا ہے
صنائع فن سے معاش ہو جاتا ہے
زمیں کا عیش عمر کی لذت ہے
صدمہ بھی ہو جائے کاش ہو جاتا ہے

(۳)

پھر زلف بدوش ہیں جوانانِ چمن
اللہ اللہ، یہ صبح جشن سامانِ چمن
ذوق آفریدہ ہیں ارمان نئے
پھر چاک بکف ہیں نونہالانِ چمن

(۴)

پھر قلب پہ بجلیاں گراتی آئی
پھر ہر تن و جاں میں لگاتی آئی
کھلتے جاتے ہیں زخمہائے ارمان
پھر صبحِ بہار مسکراتی آئی

(٥)

قودور سنی عشق باده نوش ایکن
بیسر الدرمان آچ اولدقلرا ایکن
صاولن یتیشمز ابکمز ایکن نهایتی
وکاسه ایمسن آل ویرنیا ایکن

(٦)

دل صرف حصول کام دنیا ایکن
جان وقف سر کیف صبا ایکن
دوران نشاط عیشیت کبابی دوران
عوض سنی نابین ودنیا ایکن

(٧)

بی کسم بر کیمسه همدست یار اولمازمی

بی دوا دردیمه بر چاره ساز اولمازمی

لیکن نیکونده بر ال کیمسه فانی مکه

ذره کوکلی جانبین نیمی قرار اولمازمی

---

(٨)

بیلکی جزو کل نیمین بو رنکی

مسلکی پابنیز نیمین بو رنکی

محفل بزمی تکین بر ال جابکی

تیغ حیات کل نیمین بو رنکی

(٨)

میں غنچۂ ناشگفتۂ گلشن ہوں
شستہ تن صبح کا پیراہن ہوں
دل شیدا ہوں اسے اپنی بربادی کا
خنداں ہوں اگرچہ سوختہ خرمن ہوں

(٩)

میں اپنی ہی آرزو میں دیوانہ ہوں
خود شمع ہوں اور خود ہی پروانہ ہوں
جیتا ہوں جنبش کے ناتکمیل ہوں اور ان
سو بیتی ہی کہ سرِ افسانہ ہوں

(۱۱)

میں جو عرصۂ گیتی میں حیاتِ ستارہ ہوں
میں خودی، شرابِ خودی کا پیمانہ ہوں
یعنی وہ رُخ ہیں میری ہستی کی سرکار
ہیں تمثال ہوں جہاں سے بیگانہ ہوں

---

(۱۲)

کر مجھ پہ زمینی کی عنایت کرنا
میرے بالکل تیری ہی عنایت کرنا
ہوں نہ میں انسان وہ جو بیکسی ہیں بیچ
پھر دو دن گناہ بھی عنایت کرنا

(۱۳)

مسرور ترا لب ہے مست پیمانہ ہوں
میں وادیٔ بے آب حیران بیگانہ ہوں
لذت طلب لب اگر ہیں ہوں عالم میں
ہم وہ ہیں جو الفت سے بیگانہ ہوں

(۱۴)

ہاں ہوش کو ولولہ ہے کس کو کیا معلوم
سرور کو الفت ہے کس کو کیا معلوم
ہم میں جو دوری جو دوری یہی یار وجہ نشاط
تا حشر جو غفلت ہے کس کو کیا معلوم

(١٥)

نجه سالار حسرتله تشنه اولمش یورك

نجه سال آب حیاته تشنه اولمش یورك

دوشیلوب ویرانه لرده روحم اولدی پرده در

نجه سالجق ایکلرکن بیکلار اولمش یورك

---

(١٦)

عالمه تحصیلدی بو سری جان روح روان

دنیا مقصودم ایکن همپایی شیدا ایدن

سرمایه ایتمش بنی یاریکی فطرت عشق

پاک ایتدی نسبیکی کوکلی انسان انسان

(۱۷)

پھر وصل ہی وصل ہو جدائی نہ رہے
تفریقِ نفسہ و پیدائی نہ رہے
اسرارِ حیات کو سمجھ لے کوئی
لازم ہے جو دوئی و تنہائی نہ رہے

(۱۸)

انسان ایسا بھی کوئی غافل کیا ہو
محدود نظر ہو ہر طرف سے پیدا ہو
یہ دورِ حیات جب غفلت ہی رہے
بیدار ہوں ہمیشہ جو دیدۂ دل وا ہو

(۱۹)

اپنے ساقی سے کل اک چھپا پئیں
کشتی عمر اپنی بس اب آئے میں
یاد آتا ہے تب ہیں باغ و بہار
آئے گا اور سقہ سب آئے ہیں

(۲۰)

میرے ساقی شراب صافی دینا
جو بس کے گردش کی پیالی دینا
آتش نگار رنگین کچھ حسن
اپنی دینا اور اپنی کالی دینا

(۲۱)

ساقی کی نظر کیوں ہے اسرار نہیں
پیمانے چھلک سے ہیں مے خوار نہیں
سب پیتے ہیں تشنہ طلب اور ہیں بیزار نہیں
بازار ہے گرم اور خریدار نہیں

(۲۲)

ہستی شناس ہوں ہے گوش دل کو آواز بقا
ہر ذرہ کا نغمہ ہے یہی ساز بقا
قطرہ کی تپش ہے موج دریا کی روانی
محسوس ہوا تہ فنا میں ہے راز بقا

(۴۳)

ہر وچ بھی دا، ہے سر جس بھی ہوتے جانا
وسدا ہے بھی او جد اس بھی ہوتے جانا
آپی ہے تیرا وقت اس ہو بیاں کو صبا
جا بیٹھ لے او ہس بھی ہوتے جانا

(۴۴)

خنداں باجھ ہے چوکاں جا بیٹھ
سب آتش نمرود وی بیتاں جا بیٹھ
منزل بیچ سی بھی نہیں تھپے پاؤں
کون تیلا ہے ہمہ کہاں جا بیٹھ

(۲۵)

اس کی وہ تصویر [illegible]

کھینچی ہے [illegible]

بیاباں [illegible]

میری آرزوؤں [illegible]

(۲۶)

حالِ دلِ ناصبور کس سے کہیں

افسانۂ برقِ طور کس سے کہیں

جاں منکر ہے جلوۂ حقیقت کا

آنکھوں کا یہ سب قصور کس سے کہیں

(۴۷)

وہ ولولۂ شورش پنہانی نہ رہی
وہ ذوقِ طلب وہ جانفشانی نہ رہی
جینا نہیں نام سانس لینے کا روا
کیا لطفِ حیات جب جوانی نہ رہی

(۴۸)

دل ذوقِ وفائے ذوقِ غمخواری دے
جاں مایۂ ذوقِ نصرتِ دل آزاری دے
تحقیق کی نگاہیں تعلق ہی بو جائیں
آنکھیں دی ہیں تو ذوقِ بیداری دے

(۲۹)

ساقی وہی پھر جام بادہ و مینا لا
اپنے ہاتھوں سے پھر مجھے دے اک پیالا
کیسا دوزخ کہاں کی جنت ساقی
پیالا ہے بہشت مے کو جانے والا

(۳۰)

ہے اتنی غرض دہر کے افسانے کی
جو بھی ہے صاف کر نہ بدی یا نیکی
پیتا رہ کہ زندگی دو روزہ ہے عمر رواں
بنکے یوں ہی جان پھر نہیں آنے کی

(۴۳)

اے وعدۂ وصل کر کے جانے والے
دامن میرے ہاتھ سے چھڑانے والے
اس طرح تو اقرار تسلیم کا ہے عشق
ایسا تھا تو پھر نہ آنے والے

(۴۴)

اے جادۂ عشق سے گذرنے والے
پوری کی کرے تیرے کام کرانے والے
واقف نہیں ہیں حسن کے گلی کوچی
اے راحت زندگی پہ مرنے والے

(۳۳)

محبوب نہ کیوں ہو چارہ سازی تیری
کیا خوب ہے یہ ستم طرازی تیری
خود زخم لگا کے زخم پر چشم کرم
اللہ اللہ یہ دل نوازی تیری

(۳۴)

محفوظ ستم سے گر یہ چھالا ہوتا
دل کا انداز ہی نرالا ہوتا
دیکھو دیکھو کہاں رکھے دیتے ہو پاؤں
تم نے اسے توڑ ڈالا ہوتا

(۳۵)

یہ کیا کہ حیات جاودانی کیا ہے
پہلے دیکھو جہانِ فانی کیا ہے
اس فکر میں ہو کہ موت کیا شے ہے رواںؔ
یہ بھی سمجھے کہ زندگانی کیا ہے

(۳۶)

سب مجھ سے گر ہوں خوش تو تشویش نہیں
معتوبِ جہاں میں غم سے آزاد نہیں
اچھے مجھے اچھا کہیں بُرے مجھ کو بُرا
جب میں جانوں کہ زیست برباد نہیں

(۳۷)

مجھ کو دوران راحت جستجو ہے دل کی
میری یہ مراد ہے کہ تشفی ہو دل کی
اصلاح کی کیا امید احباب سے ہو
تشنہ ہے حیات آرزوئے دل کی

(۳۸)

افلاس اچھا ہے نہ فکر دولت اچھی
جو دل کو پسند ہو وہ حالت اچھی
جب اس سے اصلاح نفس ممکن ہے
اس عیش سے ہر طرح مصیبت اچھی

(٣٩)

هر نازنینی ز اینها رسم بالا ب
چه راز احتیاط راز رسم بالا ب
انسان معذور است که انسان معذور
نغمه آواز از رسم بالا ب

(٤٠)

نه بس نازنین سر ز رسم بالا
ای سال سفر و کند از رسم بالا
یکی باغ تیر از قلم رسم پشتی کنی
چه از گشود راز رسم بالا

(٤١)

ہنگامِ شباب نفس بس میں نہ ہوا
پیری میں بھی ہاں ہوس پہ قابو نہ ہوا
افسوس کہ رائیگاں گئی عمرِ رواں
ہیہات کبھی عیش سے آزاد نہ ہوا

(٤٢)

حرص و ہوسِ حیاتِ فانی نہ گئی
اس دل سے امیدِ کامرانی نہ گئی
ہے سال بسر پر ایامِ رواں
پر بھی امیدِ زندگانی نہ گئی

(٤٣)

آلوده معصیت سیه دل من منم
کل جانبه مستحق سجن حزین منم
بیچاره‌لره ایش اولسه ایلر دنیا کارده
بلکه بنی کوروب ده بو سیه بختی منم

(٤٤)

اوف ای دل مضطرب ملالتلی
بیچاره کی کس فقط حقیقتلی
کزنده امید و یأس و حسرت کاه
دنیا بوله دیگر مصیبتلی

(٥٥)

حسرت ندر بیلدیکم بر یأس و کلفت ایدی
هنگام شبابم سعی عرفانه آفت ایدی
ایام حاصل آرزولر هیچ اولدیغی
حب بیلمیش حقیقت محبت ندری

(٥٦)

بیر یره منحصر نه وفا ایتدی هیچ
انجام عمل صفاری ایکن وار است هیچ
بر کوره آتش نامراد اولدیغی کیجه زوال
نیجه بکلر اراده اتفاقات بیر بیچ

(٤٧)

پر عکس امیدوں کے نتیجے ہیں یہاں
پر کوشش نامراد بھی ہے رواں
اعضائے عمل تھکے ہیں شل ہیں
کتنا بے کس، کتنا بے بس انساں

(٤٨)

شیریں نغموں سے آشنا ہیں لب و گوش
نفرت ہے حواس سے، ہے دل بھی مدہوش
اے مایۂ حسن پھر سنادے مجھ کو
چشم گویا کی اک نوائے خاموش

(٤٩)

کرتا ہوں کچھ ایسی ہستی کا گمان حیات
کھویا ہیں ہیں یہ میرا دوران حیات
ذرا ہوں چھوڑا اے زندگی ہیں اپنی اجل
جب یاد آئے زندگی کے سامان حیات

(٥٠)

مانا کاوش تھی کاوش غمزہ تو تھی
کرتے تھے لغزش اک تیرہ تو تھی
یہ تیرا نہیں جواب تھی جو لیں ہیں کہا
بندہ بھی تھا یقین ان بے تیرہ تو تھی

(۵۱)

دنیا سو طرح سے بسر آئی ہو
سامان جو تیری سے اوج پہ بھر آئی ہو
اب دیکھو فنا سے کھول دیا ہیں آنکھیں
کفنت سا برات بین نظر آئی ہو

(۵۲)

مفتی کوئی گوئی ابلاو تیمن ہے
ظالم دنیا کی ہمسر اور تیمن ہے
پچتایا ہوں بس طے کی راہ او نیکی یارو
جان او تیمسی جان کا او تیمن ہے

(٥٣)

آزاد ضمیر ہو تو فقیری کیا ہے
دل بے پروا ہو امیری کیا ہے
زنجیر نہیں ہے پائے عاشق تو پیروں
محدود نہیں خیال تو اسیری کیا ہے

(٥٤)

دل اپنا لگا کر دیتے ہیں کیسے ثواب
کیوں سب سے ہے آنسوؤں سے منہ دھوتا ہے
لاحل نہیں عقدہ ہے یہ صحبت تا جب
جب موت یقینی ہے تو کیوں روتا ہے

(٥٥)

اخلاقمزی گوزل ایتمک بیوک نعمتدر

جان صرف ایتمک فائدهسی ایسه صحتدر

زایل ایتمک عوض ایله ازاله ایتمک

دل حقوقی ایله ایتمک عبادتدر

(٥٦)

پیرو جنتده بن عمر ساده آزاد اولمش

دم بلمز بو طبع منفعل شاد اولمش

حالا بزی بیلک دل کی لبی

امیدی گنج تعلیم آباد اولمش

(۵۷)

اخلاق کی ہی کسوٹی غربت میری
ہے ظرف کا امتحان دولت میری
ہر چیز کی کھل گئی حقیقت مجھ پر
مجھ پہ ہی کھلی نہ حقیقت میری

(۵۸)

سرمایۂ انتشار ہے شیرازۂ خلق
ہے نام تعصب فضول اندازۂ خلق
تعمیر غلط ہے نسل نسب کا رابطہ
ہے موجب بربادیٔ آوازۂ خلق

(۵۵)

مشغول اسے نفس غنیمت ہے
مصروف اسے خیال عصمت ہے
کس کو فنا کی تاب کس کس کو علم
انساں کو ادراک حقیقت ہے

(۵۶)

کل تک تھی جسکو دل کی راحت ہے
ہے آج جدا وہ کیا مصیبت ہے
پہچان سکے بھی کہ موت سر پہ کھڑی
انسان سے بے وفا کیسی دنیا ہے

(٦١)

یہ چشم ہو اور کس کو ادنیٰ سی بات ہے

ہمراہ اردو دوں کی عزیز غریب بات ہے

آتے ہیں کیسا کیسا سے اور جانا ہے کوئی

اس کا بھی جنازہ ہیں مصیبت ہے

---

(٦٢)

دیکھے ہیں جہاں کا نیرنگی اور بھی

عنوان جو تھی کی جسے نری تا بھی

فیصلہ نگاہ عبرت ہے ہو دو

عشرت کدہ جہاں ہیں غمی بھی

(٦٢)

کیا ہم سے بتائیں عمرِ فانی کیا تھی
بچپن کیا ہیچ تھا جوانی کیا تھی
پیری کی کمی سبکی تھی وہ ہوا کا جھونکا
اک موج فنا تھی زندگانی کیا تھی

(٦٣)

امید سے کشتی کی ٹھہرا دیجے
کشتی ہی دل ایسی بھی جو تیرا دیجے
لیکن جو حساب ایسے ایسے دیکھا تو دو
کچھ ایسی ہستی سے لیجو بہا دیجے

(۹۵)

افسانۂ باغ امید کے سنتے نہیں ہم
پیتے ہیں کہ اب بادۂ گلگوں بھی نہیں ہم
کانٹوں میں بھی دامن کی کچھ پھولوں کی بیتی
الجھے ہیں تو پھر زلف کی الجھن کے نہیں ہم

(۹۶)

ہے معجزۂ حیات ایک سیر حیات
ہے لطف و غمزہ یا تقسیم حیات
ہے جان کے ساتھ ادا و جیتی
پیکار تمنا کی اسی میں ہے حیات



چودھری جگت موہن لال رواںؔ ایم - اے وکیل اناؤ

(٦٧)

ذی روح کا ہر نفس ہے تائیدِ حیات
فطرت کرتی ہے سبکو تاکیدِ حیات
ہے فکرِ حیات رونقِ بزمِ جہاں
عالم ہے حیات اسیرِ خورشیدِ حیات

(٦٨)

مایوس ہو غم نہ شادمانی ہم سے
اٹھتا نہیں بارِ زندگانی ہم سے
کچھ ایسی ہی بات ہے کہ بیزار ہیں اب
ہم اپنی جوانی سے جوانی ہم سے

(٩٩)

اسباب جہاں سے دل کو ہٹا لیتے ہیں
اس طرح کا دل بھلا کہاں پاتے ہیں
خلوت میں بھی پاتے جنھیں دل کو اپنا ہی وہی
ایسے ہی کبھی کہیں کہاں جاتے ہیں

(١٠٠)

رکھتے ہیں سر پہ تاج صابر جبر کی تاب ہے
مرعوب دل جہاں سے غم کی تاب ہے
انساں کی وسعت کو دنیا سے ہو
اللہ اللہ یہ الم کی تاب ہے

(۱۳)

کردار سے اپنے اشکبار آیا ہوں
اعمال سے اپنے شرمسار آیا ہوں
اے بخشنے والے سب گنہگاروں کے
مایوس نہ کر امیدوار آیا ہوں

(۱۴)

مضطر آیا ہوں بیقرار آیا ہوں
اپنی ہی نظر میں ہو کے خوار آیا ہوں
بخشے گی نہ دیکھوں مجھکو رحمت تیری
بیشمار اگر میں گنہگار آیا ہوں

(۳۷)

فطرت سے مؤلف نصابیں
ہیں سب کھلی ہوئی کتابیں
دانا کے لئے صحیفۂ ہستی ہیں
انسان انسان کی ہی کتابیں

(۴۷)

دنیا کے عجیب مشغلے ہیں
ہر چیز میں غم کے سلسلے ہیں
عالم پیچیدہ ہے اس سے افزوں
اس سے نہیں دل کے آبلے ہیں

(٥٧)

نفس سبب حیات انسانیدر حیات
باعث اختلاط اقدم حیات
تیز ازده ودیعه ال وی تشخیص فنا
کتابان الاکمل ابنای ثبات

---

(٥٨)

پایندی جان ودل ... بیت
الله الله دری فرقت سن قیمت
اغیار کیچه ... کامل علم
سوزینی ... محبت

(١٧)

کندیسنی بیلمک حقی بیلمکه دلیلدر
انسانی پك چوق وجهله اعتراضات ایدر
آزاده بیر آدمی افکاره دعوت ایدر
اعمال ودلیل اعتقادات ایدر

(١٨)

آدم زندهکی کوکل مشکل
نفس کوکلنی
روحی روح ایدر روحی روح ایدن ایدر
عمروجه اعتقادات دل

۷۹

عکس غم و اضطراب دل ہوتا ہے
اس راہ میں جو سرگرمی متصل ہوتا ہے
ہر وقت ہے نشہ پیا سے نہیں ہے وجد
کہتا ہے یہ کون مستقل ہوتا ہے

۸۰

جب زندہ دلوں میں زندہ دل ہے دنیا
اور مضمحل دلوں میں مضمحل ہے دنیا
ترتیب دیا ہے دل نے یکتا جن میں
ہم سب فانی ہیں مستقل ہے دنیا

(۸۱)

مضبوط مکاں اگر ہو امکان رہے
اس نکتہ کا بھی گر ذرا دھیان رہے
جب بیخ نہ رہے تو تنہ کا مطلب کیا
ویسے آباد جو ویران رہے

(۸۲)

امکانِ عمل کی راہ ہے تنگی سے تنگ
اے روحِ رواں تیری فقیری سے تنگ
بنیاد ہے اور پاؤں غائب ہیں پاؤں
اس آزادی سے اس اسیری سے تنگ

(۸۳)

دشمن بھی یار دوست بھی بہتیری
آئینۂ آرزو ہے الفت تیری
ہر سانس میں ہے ایک مزا تیرے لیے
اُف لذتِ اشتیاق الفت تیری

(۸۴)

مقصودِ وفا ہے کیا سبب سمجھے ہیں
پیدا کیا کیوں ہمیں یہ سب سمجھے ہیں
راضی ہیں اسی میں جو ہو مرضی تیری
ہر درد کو ہم اب دوا سمجھے ہیں

(۵۸)

طاعت کا بدلہ ہے بہشت میں

ہر جگہ کو دیا ہے بہشت میں

کیسا بت خانہ اور کعبہ کیسا

ہر ذرہ کو جب ہے خدا بہشت میں

(۵۹)

اللہ رے سرور شب رندانہ

اللہ رے اور جب لو ہو جانانہ

دیکھیں جھومیں لپٹیں اور پھر نہیں دیکھا

کعبہ کی سمت کی طرف پیمانہ

(۸۸)

نہ یہ سب فقط اک ہیولیٰ ہی ایمان نہیں
ایمان سے باہر کا یہ عنوان نہیں
نیکی کا تو ترتیب ہے مشکل ہے ادا
نیکی سے لیے یہی کا انسان نہیں

(۸۹)

جتنا یہ پیش آتے ہوں ادا آتے ہوں
جتنا مشہور ہوتے ہوں رسوا ہوتے ہوں
کیا مجھ کو دنیا سے کام سا رہنے دو
میں ہستی و نیستی سے بالاتر ہوں

(۹۰)

شہری بھی کیا ہیں اور صحرائی بھی
وحشت بھی ہے اور فرزانگی بھی
ویرانۂ دل کو کر لیا ہے آباد
کیسے دانا ہیں تیرے سودائی بھی

(۹۱)

رکھتے ہیں جو دوستی میں الفت میری
لکھیں نہ وہ جا بجا شکایت میری
کیوں ہو گئے بے لطف و کرم جو حضرت ہیں
کچھ ہیں سے ہے ان کی مصیبت میری

(٩٢)

عرشڭ عظمتی کیمسه‌یه معلوم نیست

ربڭ حکمتی کیمسه‌یه معلوم نیست

سبحان ذو الجلال دین و دنیا پیدا ایدن

انڭ حقیقتی کیمسه‌یه معلوم نیست

(٩٣)

رازِ رحمتی کیمسه‌یه معلوم نیست

ربڭ غایتی کیمسه‌یه معلوم نیست

عالم اسراری دائم پیدا ایدر

حقڭ حالاتی کیمسه‌یه معلوم نیست

(۹۴)

دنیا جو نہیں فضائے بالا بھی نہیں
دریا جو نہیں تو کوہ و صحرا بھی نہیں
اے ہستیٔ بے ثبات اپنا نہیں سے والے
قطرہ جو نہیں تو موج و دریا بھی نہیں

(۹۵)

گر ریگ نہیں تو سطح دریا بھی نہیں
جوہر جو نہیں تو عرض ہوتا بھی نہیں
پر تو نہیں کثرت ہے کہ عالم کا ہے
یکتا جو ہے سب سے ہے یہ دریا بھی نہیں

(۶۹)

پابندیٔ ذوق اہلِ دل کیسی بنی
پیچ پیچ بس منفعل کیسی بنی
اے ناظم محکمہ کا نیا ... تماشا
قصہ کا ... ابلِ گل کیسی بنی

(۷۹)

زبان پہ قدرت ہے کس کو معلوم نہیں
دہر کی ہستی ہے کس کو معلوم نہیں ہے
سب مستی ہیں آب جاں نشاں عمل ہیں
کس کا حال ہے کس کو معلوم نہیں

(٩٨)

اپنے اوقات منفعت میں کھوتا ہوں

پائی پائی کے لئے میں قوم کو ڈبوتا ہوں

اے وہ اوراق جن میں ہیں میرے اعمال

دنیا میں ہستی کی وجہ اوراق ہیں اوقات ہوں

(٩٩)

درد دل پاس کسی کے نہ کہے

افسانہ تو اپنے کسی سے نہ کہے

دنیا میں قوم نہیں ہم دنیا میں ہم

بے وجہ کا انسان کسی سے نہ کہے

(۱۰۰)

جب نفس پہ قابو ہو جائے
انساں رفعت مآب ہو جائے
اے سوزِ تپش عشق کی ایسی تپش دے
ہر داغِ دل آفتاب ہو جائے

(۱۰۱)

جب عشق سے فیضیاب ہو جائے
دل آگ سے پیچ و تاب ہو جائے
اپنی ہستی کو جلا جائے بس
ایسا کچھ انقلاب ہو جائے

(١٠٢)

گلزمین عزیزه دوست غزنیری
گلمش بو مصره قولدی دولتیری
گاه بر بکا کولدی وجه کلفت زمین
بیگانه بقدین بنی بیله قیمتیری

(١٠٣)

دان صرف جمال روی تصویریدی
شب هجر دل افغان ابتیبریدی
بر صبح صبحله یوس دنیکم
گل عمر روان اکسیر زنجیریدی

سیر سار و نتنه چه منتی کبی یاغ (١٠٢١)
خاطرم و بیت کل دوتی پتی کبی یاغ
سن ایله اولدل کاکول مثلن بین
اسمتیری ب کبی یاغ

قاعدت یاپ عمرونه جوردی کبی یاز (١٠٥١)
انفس تابیری سیرتی کبی یاز
سن جاک ایله اولدل قانلی کبان
سکا تیری بن کلسی کبی یاز

(١٠٩)

فطرت سكوتنى بارى بلمتسون اسبيشت
كيابو ياران اوراسيوبكلب وششت
هنكامه نطوبرى
صبح خنده ال كل احبابى بكشت

---

(١١٠)

سيچه وقت اكر حوتى بيلب كل جانا
سكلين بوكى سى بنجه سبب جانا
اكر چچه اليا حال بتوايسه
باغ دن بيل اسى يجى حب جانا

(۱۰۸)

اوروں کا جو غم ہے وہ خوشی میری ہے
اب قابلِ رشک زندگی میری ہے
اشعار نہیں ہیں یہ پیامِ دل ہیں
ہمدردِ دل شاعری میری ہے

(۱۰۹)

افسانۂ زندگی سنا آئے ہیں
آئینۂ دردِ دل دکھا آئے ہیں
جلد آؤ کہ وقت اب تامل کا نہیں
پچھتاؤ گے ورنہ دور جا رہے ہیں

(١١٠)

کل صبح دمنده بکلرک یتاروکی کی
بوجه ایلیک ابتسامی انوار فنا
تاروان ده ایکیلکده ایمیش آه بیلبیلی
قرانشی اوچمش بوچابده کلدی

(١١١)

اسم و ادراق یمین تفصیل ویرلدی
نشانه نمودار حق و باطل سکیلدی
جبین قلبه بو آیینه ده جبهی احتمالی
امر انسان زنکی کاکا مسلک کی

(۲۱۱)

تاریخ ہمیں عقل کا سبق دیتی ہے
آزادیِ دل و دنیا کا سبق دیتی ہے
تہذیب کی عظمتوں کو بار بار ہم
فطرت کی یہ ہمیں جہاں کا سبق دیتی ہے

(۲۱۲)

بجز انبساط و غم کا حاصل کیا ہے
دنیا میں کسی سے نسبتِ دل کیا ہے
طوفِ جادہ سے جادۂ عشق رواں
منزل کا پتہ ابھی ہے کیا حاصل کیا ہے

(۱۱۴)

جب تک اُمید حسن صورت سے ہیں
سب نعمت و اندیشہ و قلت سے ہیں
پیدا سب یہ بحار و برق و باد و باراں
پیدا سب دو چار اسباب فطرت سے ہیں

(۱۱۵)

قابو کی یوں نہیں ہے کسی بات پہ جاں
راحت حاصل کرو اگر ہو امکاں
پر یہ نہ سمجھی کہ یہ مضطر رہنا
جینا ہے یہاں جیتے ہو حاصل ہی روا

(١٦١)

شہرہ ہے مری غنچہ دہنی میں ساران چمن
غنچے ہیں ساغر زر نرگس ہیں بادہ خواران چمن
سوکھی کلیاں پائیں کچھ جو بھی بہار ہو
نسیم صبح اے جان چمن
اے صبح

---

(١٦٢)

بکار رزق و معاش اسے دل کیا ہے
کبھی تو بحر کبھی ہے تنزل کیا ہے اب
دانے دانے پہ جب ہے کہ ہی ہو مرد
اس کاوش میں ہے جمل کا حاصل کیا ہے

(۱۸)

چمن غنچے سے اور نکھار کر دیتے ہیں
فصلِ خزاں کو ہم بہار کر دیتے ہیں
کوئی مقصود آرزو ہی نہ ملا
جب اپنا دل و جاں نثار کر دیتے ہیں

(۱۹)

مطلوب ہے اب جگر و دل جو سیتے نہیں
جینا کس کام کا جو یہ جیتے نہیں
ہے عجب وصال کی یہی نہیں عین لقا
ہم اس پہ جو ہیں جب جی کو پیتے نہیں

(۱۲۰)

ساقی سے کہا صاف ارغوانی لانا
کہہ جب سے ہوئی مجھ کو غم پنہانی لانا
پیری میں ہوں ولولوں کی سے ابر روح اور
لے پیمانۂ بادۂ جوانی لانا

(۱۲۱)

آنسو ہستی ہیں اے دل ہستی ہے
تا کے ہستی ہیں چاہیں ہستی ہے
دنیا ہستی کی ہے بس اک پیری
اور جو پیچ میں بس اک ہستی ہے

(۱۲۲)

پھولوں سے بسی اپنی بھی کیاری ہوتی
کلفت بھی نہ ہوتی نہ بیقراری ہوتی
بلبل کی طرح اگر ہمارے بھی پر ہوتے
پھر باغ سے نکلنا ہمیں بھاری ہوتی

(۱۲۳)

ہلکا بار گناہ سے سر ہو جاتا
یہ قلب سیاہ بھی منور ہو جاتا
جب روز ہوئی تھی خلق روح آدم
اے کاش کہ پھر وہ دن میسر ہو جاتا

(۱۲۴)

اپنی عظمت سے کسی کی آبرو سب ہوئی

آنکھ کا لست سے کسی کی آرزو سب ہوئی

نقش نقلیں ایسا بیاں ایک دیو کا ہوا

سو سو دول سے کسی کی آرزو سب ہوئی

(۱۲۵)

شہر بستی کی راحتوں کی یا درس ہوا

چودری کا فتنوں سے نا قوس ہوا

رفتہ رفتہ سے کیں تنگ کا یت ادبی

کر کے سب دل میں شتو رنا قوس ہوا

(١٤٦)

کیوں پیتے ہیں باغِ جہاں بے دلِ مضطر ہو
شاید یہ تو سمجھی ہے کہ نخلِ بار آور ہو
مقراضِ اجل ہی تو قاطعِ شاخِ حیات
ممکن ہے کہ اسی میں اجلِ جاں مضمر ہو

(١٤٧)

دل ابد آرا ثبات تجھ کو معلوم نہیں
اصلی حالات تجھ کو معلوم نہیں
و نقطۂ اصل وحدت کثرت ہستی کیا ہے
شاید یہ بات تجھ کو معلوم نہیں

(١٢٨)

اے ہمنشیں حال ہے جو کلفت غم ساقی
فریاد کہ اب نہ بادہ ہے نہ دم ساقی
کیا دور زمانہ ہے کہ پیتے ہیں سبھی تشنہ لبی
ہے وقت کہ اب مرے لب ہیں اور ساقی

(١٢٩)

پیچھے کو جب ہے سے مرے منہ پر جال
کیا بات ہے بیرے نشے کا مرے دیدار کا حال
جاتی ہے جھلک تو صاف آتی ہے نظر
لیکن دیکھیں تجھے بھلا کس کی مجال

(۱۰۳)

حیران نہ ہو جو رفیق مولا کیا ہے
دنیا کیا ہے جہان دنیا کیا ہے
ہر ایک عمل ہے تو تماشاۓ امکان عمل
اس سے بھی نظارہ یہ تماشا کیا ہے

(۱۰۴)

سعی و فن سے شفا کرے گا کوئی
مانا میں سعی و دوا کرے گا کوئی
خود زخم ہی جب ہوا ہے مرہم زخم
پیری دوست بھی کیا کرے گا کوئی

(۳۲)

دل وقفِ جنونِ حل و اثبات نہیں
جاں صرفِ جوابِ اعتراضات نہیں
اپنی کو سمجھ کر تو سب سے چھپیو
ضائع بے سود اپنے اوقات نہیں

(۳۳)

حالِ دل کچھ خراب سا رہتا ہے
یعنی کہ پیچ و تاب سا رہتا ہے
کھلتا نہیں از وجہ کیفیت لیکن
ہر وقت اک اضطراب سا رہتا ہے

(۱۴۴)

اس سے بہتر کہ بادۂ تر گوارا ہے
کر مست نگاہ سے مشغول ایسے کہ پئے
اے مطلع حسن اے عیاں بخش حیات
پیمانۂ دل میں نور الفت بھر دے

(۱۴۵)

اے کام روائے دردمنداں ساقی
اے قبلۂ عالمِ مستاں ساقی
دنیائے حیات پھر ہے تشنۂ باراں
للہ پھر اک نگاہ احساں ساقی

(٢٠٣)

کل اس نے ذرا لطف کی باتیں جو سرِ شتاب
دنیا ہے یہ بس عکس و دنیا ہے خراب
میں نے جو پوچھا کہ ہستی کا کیا ہے پیغام
بولا کہ یہ زندگی کا ہے اک نقش بر آب

(٢٠٤)

ملنا کسی کام کا اگر دل نہ ملے
کیا لطف سفر میں ہو جو منزل نہ ملے
وسعت دریا میں غرق ہونا اچھا
اس سے کہ قریب آ کے ساحل نہ ملے

(١٣٨)

انسان مغروردر كبر ايله انسان مغرور
چيركين خوب سوزلكيله پاي ايلر انسانى منظور
بيگانه يا دوست يا داور ايسه سنك قريب
تسبيح يا دوست و اغيار اوراس سنك دور

(١٣٩)

اسباب جهان كوزلو محبت سنى ندر بك
تكين انيس اعتقاد ليلت سنى ندر بك
سرمايه جان ايدر ايل سك شباتى ادر ول
نادان انيس بيدو حقارت سنى ندر بك

(١٥٠)

دانا ہوتے ہیں سخن سنج بنے ہوتے ہیں
لیکن اک سنگ سے پیچھے نہیں ہوتے ہیں
جو بھلے ایمان والے الاکھول ہیں یارو
بیچ کا فر سے کہیں نہیں ہوتے ہیں

(١٥١)

پایاں کر کشتی فن سے ہوتی ہیں
یادوعل مرکز نقب سے ہوتی ہیں
جو بات سنتا تھی سنگ سے ہے روان
اضرو ویب تبسم کیا ہوتی ہیں